قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

# طلوعِ اسلام

لاہور


قیمت فی پرچہ
۴
چار روپے

ٹیلیفون
۸۸۰۸۰۰
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) بی ۲۵ گلبرگ ۲ لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۴۸ روپے
غیر ممالک ——— ۱۱۰ روپے

جلد (۴۰) | فروری ۱۹۸۷ء | نمبر ۲


## فہرست


(۱) لمعات - (انسانی خون کی ارزانی) (مفکرِ قرآن کی دوسری برسی) (شریعت بل سے دستبرداری کی پیشکش) (قائدِ اعظمؒ کا ارشاد) ۲

(۲) اسلاف پرستی - (محترمہ ثریا عندلیب) ۱۱

(۳) ذکر و فکر پر تبریز - (محترم محمد اسلام) ۱۷

(۴) حسنِ تحریر - (محترم محمد عمر دراز) ۴۵

(۵) رابطہ باہمی ۴۸

(۶) حقائق و عبر - (اسلامی اسٹوکریسی) (کعبہ شریف کا استقبال اور عورت کا بغیر محرم سفر) (محنت کش ولی اللہ) ۴۹

(اہل حدیث کے نزدیک سود حلال) (اہل حدیث علماء کا ایک دوسرے کو خراج تحسین) (اہل حدیث اور حنفی) (ہم قائدِ اعظمؒ کے مجرم ہیں) (فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے) (خاندانی منصوبہ بندی اور جماعت اسلامی) (احادیث سمجھنے کے لیے بھی علم کی ضرورت ہے)

(۷) فذکر بالقرآن (حافظ محمد یعقوب خان) ۶۰

(۸) منشیات کی پھیلتی ہوئی فضا اور ہمارے علماء (محمد امین) ۶۱



ایڈیٹر: محمد خلیل، ناشر: شیخ عبدالمجید۔ مقامِ اشاعت: ۲۵/بی، گلبرگ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز، ۳/۴ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵۔

# لمعات

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (۴:۹۳)

## اِنسانی خُون کی ارزانی

یوں تو سندھ میں ہنگامے مدت سے ہوتے چلے آرہے ہیں، لیکن اس مرتبہ ان کا محور، خاص طور پر، کراچی بنا ہوا ہے۔ کراچی میں اکتوبر ۱۹۸۶ء میں ہنگاموں کا نہایت افسوسناک سلسلہ شروع ہوا۔ ان ہنگاموں کا ذمہ دار کون ہے، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کے متعلق ملکی اخبارات میں بہت کچھ آچکا ہے۔ ابھی یہ آگ سرد نہ ہوئی تھی، کہ کراچی میں ۱۴ دسمبر ۱۹۸۶ کو اورنگی ٹاؤن کی متصل بستیوں علی گڑھ کالونی، قصبہ کالونی، صادق آباد، اور گلفام آباد میں انسانی قتل عام اور تباہی و بربادی کا لرزہ خیز کھیل کھیلا گیا۔ اس وحشت و بربریت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ایوان صدر راولپنڈی میں مورخہ ۵-۶ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ملک بھر کے تقریباً ... مختلف دانشوروں کو مدعو کیا گیا اور اس اجتماع میں ان خونچکاں واقعات پر بحث و تمحیص ہوئی کہ ان انسانیت کش ہنگاموں کے محرکات کیا ہیں۔ اور ان کا تدارک اور سدِباب کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اجتماع کوئی مثبت حل نہ دے سکا۔ اور معاملہ نشستند و گفتند و برخاستند سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ابھی یہ زخم مندمل نہ ہوئے تھے۔ کہ حال ہی میں کراچی کے سید معصوم علی اور اُن کی دو بیٹیوں کے سفاکانہ اور بہیمانہ قتل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس آگ کے شعلوں نے قریباً قریباً تمام اہم علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور متعدد علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ لیکن ہنگامے پھر بھی جاری رہے۔ اور ابلیس بغلیں بجاتا رہا۔

حال ہی میں کرفیو زدہ علاقوں، ناظم آباد، فیڈرل بی ایریا، گلبہار، راما سوامی، پارک کالونی کے علاوہ مالیر اور کورنگی میں بھی دن بھر توڑ پھوڑ اور آتش زنی کے واقعات جاری رہے۔ یہ سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔

کراچی کا کوئی گھر اور شہری اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اس کے محرکات کیا ہیں۔ یہ وقت ہی بتائیگا۔ لیکن حکومت کا تاثر یہ ہے۔ کہ یہ سب کچھ ملک دشمن تربیت یافتہ تخریب کاروں کا فعل ہے۔ اس ضمن میں وزیراعظم محمد خاں جونیجو نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "سندھ میں خفیہ ہاتھ اپنے مذموم مقاصد کے لیے سرگرم ہیں۔ اور شرپسند عناصر مذموم طریقہ سے عوام کے جان و مال سے کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے کراچی کے المناک سانحہ پر دلی رنج اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے صورت حال کے پس پردہ سرگرم عناصر کے تعین اور ان کی نشاندہی کی ضرورت پر زور دیا" (بحوالہ ایڈیٹوریل جنگ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۷ء)

رہا سوال ان اقدامات کا جن سے سندھ اور کراچی میں پھر سے۔ امن و امان قائم ہو سکے۔ اس کا تمام تر انحصار حکومت پر ہے۔ حکومت کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ عوام کے تمام معروف لیڈروں کو اعتماد میں لے۔ اور اس سانحہ کا حل بغرض علاج تلاش کرے۔ اور ان کے اشتراک اور تعاون سے اس بلائے ناگہانی پر قابو پائے۔ دوسری طرف عوام کے معروف لیڈروں کا بھی یہ فرض بنتا ہے۔ کہ وہ اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر اس قیامت صغریٰ کا نوٹس لیں۔ اور ملکی سطح پر اس حصہ ملک میں قتل و غارتگری کا جو بازار گرم ہے۔ اس کو فرو کرنے کے لئے اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ اور اس مقدس فریضہ کو انجام دیں۔ ملک کے ہر گوشے سے یہ لیڈر اپنے رفقاء کے ساتھ سندھ اور کراچی میں کیمپ قائم کریں اور اپنی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لاکر ملک کے اس حصہ کو جہنم صفت شعلوں کی گرفت سے نجات دلائیں کہ یہ ملک کی بقا اور سلامتی کا سوال ہے۔ یہ وقت ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے اور الزام تراشی کا نہیں۔ بلکہ جماعتی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر انسانی مفاد کی خاطر عمل پیرا ہونے کا ہے۔ انسانی خون کی قیمت پر مقصد براری دانشمندی نہیں جہالت ہے۔

اب رہی بات اُن لوگوں کی جو اس خون آشام داستان کے کردار ہیں۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم کی رو سے ایک مسلمان کے ہاتھوں دوسرے مسلمان کے قتل سے بڑھ کر نہ تو کوئی جرم ہے۔ اور نہ ہی گناہ جس کی سزا جہنم ہے۔ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ ان واقعات کو دیکھ کر اقوام غیر کیا سوچیں گی۔ کہ کیا سلامتی کے دین کے یہی خدوخال اور اجزائے ترکیبی ہیں۔

طلوع اسلام کی زندگی کا مقصد وحید اُمت مسلمہ کو قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق جسد واحد بنانے اور اس مملکتِ خداداد میں قرآنی نظام ربوبیت کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ اس فریضہ کو یہ اپنے ابتدائی ایام سے اپنی استطاعت کے مطابق پورا کرتا چلا آرہا ہے۔ طلوع اسلام اور اسکے ساتھ بھی خواہانِ پاکستان اس خطۂ زمین میں، جسے ان گنت اور بیش بہا قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ دو

قومی نظریہ کے عملی نفاذ کے لیے حاصل کیا گیا تھا، ہونے والے اِن واقعات پر جو ملکِ عزیز کے قیام کے مقصد کی نفی کرتے ہیں۔ کس حسرت و یاس سے بارگاہِ خداوندی کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ بارِ الہا! ہم پاکستانی کب پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان بننے کی بجائے 'اُمتِ واحدہ' بنیں گے۔ کہ جسدِ ملی سے خون چوسنے والی ان بیماریوں کا یہی حل ہے۔

# عِلاج اِس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

# یعنی —— تمسّک بالقرآن

جو اپنے اندر شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ رکھتا ہے۔

## مُفکّرِ قرآن کی دوسری برسی

مفکرِ قرآن محترم غلام احمد پرویزؒ کو ہم سے جدا ہوئے، پورے دو سال ہو چکے ہیں، ان کی دوسری برسی ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء کو شاندار طریقے سے منانے کے لئے، پروگرام کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔ ہر ماہ کے "اِن دنوں" اگلے ماہ کا طلوعِ اسلام، طباعت کے آخری مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ اسلئے برسی کے موقع پر پڑھے جانے والے مقالات، اپریل ۸۷ء کے شمارے میں ہی شائع ہو سکیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہو گی۔ کہ طلوعِ اسلام کے اس شمارے کو مفکرِ قرآن کے بارے میں ایک خصوصی اشاعت کے طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

پرویز صاحبؒ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے جو کچھ فرمایا تھا، اسے طلوعِ اسلام کے "فروری ۸۶ء" کے شمارے میں پیش خدمت کیا جا چکا ہے۔ پرویز صاحبؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں اب چراغِ سحری ہوں۔ لیکن تم لوگوں کے لئے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہر

غروبِ شمس، نویدِ طلوعِ صبحِ دگر

ہوتی ہے۔ میں عمر بھر کی محنت و کاوش کے بعد جس مقام پر اپنے سفر کو ختم کروں گا۔ وہ تمہاری جادہ پیمائی کے لئے نقطۂ آغاز ہو گا۔

آپ کی قرآنی فکر کے مخالفین اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کی فکر، ان کے بعد رفتہ رفتہ ختم ہو

جائے گی۔ لیکن پرویز صاحبؒ نے اپنی زندگی میں اپنے بعد آنے والوں کی جو جماعت تیار کی۔ اس نے اُن کی اس فکر کو استمرار و دوام دینے کے ساتھ ساتھ اِسے مزید ارتقائی منازل سے ہمکنار کرنے کے لئے ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو **طلوعِ اسلام ٹرسٹ قائم کر دیا ہے۔** فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

جس کے سامنے متعدد منصوبے ہیں۔ ان منصوبوں میں سے مندرجہ ذیل پر فوری عمل شروع کر دیا گیا ہے

۱۔ پرویز صاحبؒ کی تمام مطبوعہ کتابوں کی خوبصورت اور جاذب نظر انداز میں بار دگر اور مسلسل اشاعت۔

۲۔ پرویز میموریل لائبریری کا قیام۔ تاکہ مختلف قرآنی علوم پر تحقیق کا عمل جاری رہے۔

۳۔ پرویز صاحب کے غیر مطبوعہ مسوّدات کی اشاعت۔ جن میں سرِفہرست ان کے مفہوم القرآن کو انگریزی زبان میں شائع کرنا ہے۔ مفہوم بزبان انگریزی جس کے ۱۷ پارے پرویز صاحب اپنی زندگی میں انگریزی میں منتقل کر گئے تھے قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اور قرآنک ریسرچ سنٹر کے تعاون سے طباعت کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ اور اس کا پہلا پارہ بہت جلد قارئین کی خدمت میں نمونتہً پیش کیا جائے گا۔

پرویز صاحب، علماء حضرات کے خلافِ قرآن دعوؤں کا ہمیشہ نوٹس لیتے رہتے تھے۔ اور ان پر واضح کرتے رہتے تھے۔ کہ وہ فلاں فلاں مسئلے میں کس طرح قرآنی تعلیمات سے بھٹکتے جا رہے ہیں الحمدللہ کہ طلوع اسلام نے آپ کے بعد اس کام کو جاری رکھا۔ آپ کی وفات کے بعد علماء کی سب سے بڑی کارکردگی شریعت بل کا پیش کرنا تھا، اس مقصد کے لیے انہوں نے متحدہ شریعت محاذ قائم کیا اور شریعت بل کو پاکستان کی تاریخ میں بہت بڑا کارنامہ قرار دیا۔ طلوع اسلام نے اس بل پر تبصرہ کرتے ہوئے ان علماء حضرات پر واضح کیا۔ کہ اس کی کون کون سی دفعات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات اس بل کو خالص اسلامی قرار دیتے رہے۔ اور وقتاً فوقتاً حکومت کو دھمکیاں بھی دیتے رہے۔ کہ اگر اس نے یہ بل پاس نہ کیا۔ تو اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی جائے گی۔ حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے متحدہ شریعت محاذ نے قومی اسمبلی کے سامنے مظاہرے بھی کئے۔ لیکن طلوع اسلام کے تبصروں سے جب ان پر واضح ہوتا گیا، کہ ان کے بل کی عمارت کمزور ہے۔ تو اب انہوں نے اپنے بل کو آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا ہے۔ اس ڈرامے کی تفصیلات آئندہ سطور میں پیش کی جا رہی ہیں۔

---

## ۲۔ شریعت بل سے دستبرداری کی پیشکش

علماء حضرات، جس طرح شریعت بل کے بارے میں بیان دے رہے تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاید حق و باطل کا کوئی معرکہ درپیش ہے۔ لیکن اس سلسلے میں آنی بلندی پر جانے کے بعد، انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا ہے۔ اور عامتہ الناس حیران ہیں کہ یہ کس قسم کا حق و باطل کا معرکہ تھا۔ کہ اب اس سے دستبرداری کی پیش کش کی جا رہی ہے۔ اس معاملے کی وضاحت ان تفصیلات سے ہوگی۔

علماء کی جانب سے شریعت بل ۱۹۸۵ء میں سینٹ میں پیش کیا گیا تھا، سینٹ نے اسے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کر دیا۔ علماء کے ایک طبقے نے بلاشبہ اسکی حمایت کی۔ لیکن علماء کے ایک دوسرے گروہ نے، جو ملک میں اکثریت کی نمائندگی کا دعوے کرتا تھا۔ اس بل کی سخت مخالفت کی۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے اسے اسلام سے مذاق قرار دیا۔ اس لئے یہ بل ابتداء ہی سے ایک اختلافی مسئلہ بن گیا تھا۔

اس بارے میں حکومت کی سوچ، بالکل مختلف تھی، اس نے اس مقصد کے لیے آئین میں نویں ترمیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ترمیم میں یہ واضح کیا گیا۔ کہ جو احکام قرآن و سنت سے مستنبط ہوں گے۔ وہی اس ملک کا "اعلیٰ قانون" ہوں گے۔ لیکن شریعت بل کے حامیوں نے حکومت کی جانب سے پیش کی جانے والی اس ترمیم کو مسترد کر دیا۔ اور انہوں نے شریعت بل پاس کرنے پر اصرار کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ایک متحدہ شریعت محاذ قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس محاذ نے اپنے قیام کے فوراً بعد شریعت بل کی مخالفت کرنے والے علماء کے اعتراضات کا جائزہ لیا۔ اور انہیں تسلیم کرتے ہوئے، اپنے مجوزہ بل میں کچھ ترمیمات کرنے پر امادہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ محاذ کے علماء نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ آئندہ کے لیے بھی اپنے دروازے بند نہ کریں گے۔ اور اگر انہیں کوئی قابل قبول بات نظر آئی۔ تو وہ اسے قبول کریں گے۔ چنانچہ طلوع اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں ان کی توجہ اسلام کے مالیاتی نظام کی طرف دلائی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے مالیاتی نظام سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ اس لئے اب انہوں نے کچھ ایسی تجاویز پیش کر کے کہ جس سے ملک میں مروجہ سرمایہ داری نظام جاری و ساری رہے۔ شریعت بل سے دستبرداری کی پیش کش کر دی ہے۔ چنانچہ متحدہ شریعت محاذ کے سرکردہ لیڈروں نے، لاہور میں مورخہ ۸ جنوری ۱۹۸۷ء کو

ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے، حکومت کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔ اور ساتھ ہی یہ پیش کش کی، کہ اگر حکومت انہیں آئین کی مجوزہ نویں ترمیم میں شامل کرے تو پھر وہ اپنے شریعت بل کے پاس کرنے پر زور نہیں دیں گے۔ یہ تجاویز درج ذیل ہیں۔

(ا) حکومت کے تمام ادارے، جن میں مقننہ عدلیہ اور انتظامیہ شامل ہے۔ اور اس کی ہیئت حاکمیہ جن میں صدر، گورنر، وفاقی اور صوبائی وزراء شامل ہیں۔ یہ سب شریعت اسلامیہ کے احکامات کے تابع ہوں گے۔

(ب) ملک کا قانونِ اعلیٰ، شریعت اسلامیہ پر مبنی ہوگا۔ اور دستور یا روایات وغیرہ میں سے کسی میں تضاد ہوگا۔ تو اسے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں حل کیا جائے گا۔

(ج) آئین کو دفعہ ۲۰۳۔ ڈی کے بعد مندرجہ ذیل شق کا اضافہ کیا جائے۔

"وفاقی شرعی عدالت، مالی قوانین کے سلسلے میں ماہر علماء سے مشورہ کرے گی اور حکومت کے لئے لازم قرار دے گی کہ مروجہ سرمایہ داری نظام میں ترمیم کرکے اسے نوے دن کے اندر اندر قرآن و سنت کے مطابق بنا دے۔ (روزنامہ پاکستان ٹائمز مورخہ ۹ جنوری ۱۹۸۷ء)

علماء کی یہ تجاویز اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ کہ شریعت بل کے بارے میں خواتین انجمنوں کے خدشات درست تھے۔ ترمیم شدہ صورت میں نویں ترمیم کی اہم خصوصیت یہ ہوگی کہ عائلی قوانین، وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار کے تحت آجائیں گے، اور دوسرا اہم مسئلہ یعنی سرمایہ داری نظام نہ فوری طور پر متاثر ہوگا۔ اور نہ ہی اس کے آئندہ متاثر ہونے کے امکانات ہیں۔ مجوزہ نویں ترمیم میں سرمایہ داری نظام کو ان الفاظ میں تحفظ مہیا کیا گیا تھا:

"دفعہ (۳ ا) کے ذیل میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے۔ کہ اگر وفاقی شرعی عدالت، کسی مالیاتی معاملے کو اسلامی امور کے ماہرین کے مشورے سے، اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دے دے تو اس سلسلے میں متبادل انتظام کے لئے مناسب تجاویز دے۔ اور اس خلافِ اسلام قانون کو تبدیل کرنے کے لئے مناسب مہلت دے۔ پھر ذیلی دفعہ (۳ ب) کے مطابق، مالیاتی امور سے متعلق۔ خلافِ اسلام قرار دیئے گئے۔ قوانین بھی اس وقت تک نافذ العمل رہیں گے۔ کہ جب تک قانون ساز اسمبلیاں اس بارے میں نئے قوانین نہیں بنا لیتیں۔

ان کے مقابلے میں متحدہ شریعت محاذ نے، سرمایہ داری نظام کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے جو تجویز پیش کی ہے۔ اس کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ وہی نکلے گا۔ جو نویں ترمیم میں

دیے گئے تحفظات کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ دوسرے اس تجویز کے ذریعے ان علماء نے اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے۔ کہ وہ چالیس سال سے اسلام کے مالیاتی نظام کا خاکہ۔ ابھی تک عوام کے سامنے پیش نہیں کر سکے۔ اس لیے اس سلسلے میں اس موضوع کی کسی کتاب کا حوالہ نہ دے سکے۔ بلکہ ان کی تجویز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے ذہنوں میں اس نظام کا سرے سے کوئی خاکہ ہی موجود نہیں۔ اور وہ سرمایہ داری نظام میں کانٹ چھانٹ کرکے اسے اسلامی بنالیں گے۔ اس بارے میں ان کے سابقہ رویے سے بھی اس خدشے کی تائید ہوتی ہے۔

اسلام کا مالیاتی نظام، سرمایہ داری نظام سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس میں غیر حاضر زمینداری نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق، ملک کی تمام اراضی اسلامی مملکت کی ملکیت ہیں۔ اور ان پر کاشت کرنے والے کاشتکار، اس کی پیداوار کا ایک مقررہ حصہ، حکومت کے بیت المال میں جمع کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ اور یہی حصہ اسلامی ریاست کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ لیکن آج کل غیر حاضر زمیندار، اسے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اور یہی لوگ قانون ساز اسمبلیوں پر قابض ہیں۔ اس لئے کیسے ممکن ہے۔ کہ وہ اسلام کا مالیاتی ایسا نظام قبول کرلیں۔ جو انہیں ان کی اراضی سے محروم کردے۔

اس بارے میں ہمارے علماء نے بھی عجیب وغریب طرز عمل اختیار کر رکھا ہے، کبھی وہ غیر حاضر زمینداری کو خالص اسلامی قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن ملکی سیاست بدلنے کے ساتھ ساتھ اس بارے میں ان کا طرز عمل بھی بدلتا جاتا ہے۔ ان حضرات نے جب ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد قائم کیا تو اس وقت اعلان کیا کہ غیر حاضر زمینداری، غیر اسلامی معاملہ ہے۔ اور قومی اتحاد، برسر اقتدار آنے کے بعد معاشرے کو اس کے وجود سے پاک کردے گا۔ اس اعلان کو قومی اتحاد کے منشور کا ایک حصہ بنادیا یہ منشور تمام قومی اخبارات میں شائع کرایا گیا۔ اور ملک کے کسی کونے سے کسی عالم دین نے اس کی مخالفت کے بارے میں ایک لفظ تک نہ کہا۔ لیکن جب قومی اتحاد کی بعض جماعتیں برسر اقتدار آئیں۔ تو انہوں نے اپنے اس وعدے پر عمل کرنا تو کجا۔ کبھی بھول کر بھی اس کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ ان میں سے بعض جماعتیں دوبارہ اس معاملے کو اسلامی قرار دینے کے بارے میں دلائل دے رہی ہیں۔

اسلامی ریاست کے مالیاتی نظام کے اس سب سے بڑے ذریعے کے بارے میں، ان علماء حضرات کا اس قسم کا طرز عمل، اس امر کی غمازی کرتا ہے۔ کہ یا تو وہ اس کی تفصیلات سے آگاہ نہیں، یا وہ سرمایہ داری نظام کو کسی صورت میں چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ حضرات اپنے بار بار کے اس

دعوے کے باوجود کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کے مالیاتی نظام کی بات تک نہیں کرتے۔ اور اب اس مقصد کے لیے انہوں نے جو تجویز پیش کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مروجہ سرمایہ داری نظام کی نوک پلک سنوار کر اسے اسلامی بنا دیں گے۔ اگر علماء حضرات ہمارے اس تجزیے کو غلط سمجھتے ہیں۔ تو ان کے لیے مناسب ہوگا۔ کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک مستند کتاب تیار کر کے عوام کے سامنے پیش کر دیں۔ تاکہ اس بارے میں عوام کے شکوک رفع ہو سکیں۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکیں گے۔ جو کام وہ چالیس سالوں میں نہیں کر سکے۔ وہ اسے چند دنوں میں کیسے سرانجام دے سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی جس نے بقول انکے ملک میں سب سے پہلے اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا نعرہ لگایا تھا۔ نے اپنے لٹریچر سے الماریاں بھر دی ہیں۔ لیکن وہ بھی اس بارے میں خاموش ہے۔ اور ان کی یہ خاموشی ان کے اس دعوے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے کا منہ چڑاتی ہے۔

ان تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ نویں ترمیمی بل میں، جن دو معاملات کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار کے تحت لانا مقصود تھا۔ ان میں سے عائلی قوانین تو اس کے دائرہ کار کے تحت آجائینگے۔ لیکن سرمایہ داری نظام کے مالیاتی قوانین حسب سابق اس کے دائرہ کار سے عملاً باہر رہیں گے۔ کیونکہ اگر اس نے اس بارے میں کوئی بھی فیصلہ دے دیا۔ تو وہ عملاً غیر موثر ہوگا جیسا کہ گھوڑ دوڑ پر جوئے کے کاروبار کے بارے میں اس کے فیصلے کا حشر ہو چکا ہے۔ خیال رہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے گھوڑ دوڑ پر شرطیں لگانے کو جوا قرار دے دیا ہے۔ لیکن اس کے فیصلے کے باوجود یہ گھناؤنا کاروبار جاری ہے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ متحدہ شریعت محاذ کے کسی عالم دین نے بھی ابھی تک اس کا نوٹس تک نہیں لیا۔

مختصر یہ کہ آئین میں نویں ترمیم کا واحد حاصل، عائلی قوانین کو شرعی عدالت کے دائرہ کار کے تحت لانا ہے۔ اور شریعت بل کے حوالے سے علماء حضرات نے جو بیانات دیے تھے۔ ان سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کے نزدیک بھی شریعت اسلامی کا مطمع نظر بس یہی ہے۔ اسی وجہ سے عورتوں کی مختلف انجمنوں نے ان علماء کے خلاف جلوس نکالے۔ لیکن علماء حضرات کو شریعت بل کے اس واحد مثبت نتیجے یعنی عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے تحت لانے سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس بارے میں بھی ان کی توقعات پوری نہ ہوں گی۔ طلوع اسلام میں متعدد

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

# قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

"میری نظر میں قرآن مجید کے فیصلے کے مطابق دو بدترین اور ناقابلِ معافی جرم ہیں۔

## ایک شرک اور دوسرا تفرقہ

تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر ہو خواہ سیاسی رہنماؤں کے نام پر، وطنیت کے نام پر ہو خواہ رنگ، نسل اور خون کے نام پر ہو، بہرحال جرمِ عظیم ہے۔ ان دونوں جرائم میں سے پہلے جرم (شرک) کی سزا اُخروی زندگی میں ملے گی لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت و خواری، غلامی اور محکومی کی شکل میں ملے گی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے ـــــ ایک مومن اور دوسرے کافر ـــــ اسی کا نام

## دو قومی نظریہ

ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابلِ معافی جرم قرار پائے گا۔"

بحوالہ مولانا غلام مرشد (سابق خطیب بادشاہی مسجد لاہور۔ ۶۶-۱۹۳۵ء)

(ماخوذ از مجلہ طلوعِ اسلام۔ جولائی ۱۹۷۶ء)

ثریا عندلیب

# اسلاف پرستی

اسلام کے نام پر جو مذہب (دین نہیں) ہمارے ہاں مروج ہے اس کی تمام تر بنیاد اسلاف پرستی ہے۔ جبکہ قرآن کریم نے اس تصور اور اس عقیدے کی متعدد مقامات پر سختی سے تردید کی ہے۔ صرف تردید ہی نہیں وہ تقلید اور اسلاف پرستی کو کفر اور شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ ایسے افراد اور اقوام کے متعلق کہتا ہے کہ یہ لوگ انسانیت کی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ زندگی جہنم کی زندگی ہوتی ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اسلاف پرستی انسان کے عہدِ جاہلیت سے شروع ہوئی اور آگے بڑھتی رہی۔ جس دور میں بینہ طور پر خدا کی کتاب نظر نہیں آتی۔ ان میں بھی اسلاف پرستی کا دور دورہ رہا۔ پھر انسان کے درد کا درماں قرآن آیا۔ اس نے یہ عظیم الشان اعلان کیا کہ:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

"وہ لوگ اپنی اپنی باری میں دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری ان پر جو کچھ تم کرتے ہو اس کی ذمہ داری تمہاری ہے اور ہم تم سے پوچھیں گے بھی نہیں کہ تمہارے اسلاف کس روش پر چلتے تھے اور کیسے کام کرتے تھے۔ تم سے تو یہ پوچھا جائے گا کہ تم کیا کرتے رہے۔" کیا یہ غور طلب بات نہیں کہ قرآن کا عطا کردہ نظام کیسا انقلابی ہے جو شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ سورۂ اعراف کی ۱۷۳ ویں آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ عذر قطعاً قابلِ پذیرائی نہیں ہوگا کہ ہمارے اسلاف ایسا کرتے تھے اس لئے ہم بھی ویسا ہی کرتے رہے۔ خود عقل و فکر سے کام نہ لینا اور تقلید اً کسی راستے پر چلتے جانا انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔ تقلید میں آنکھیں سامنے دیکھنے کی بجائے پیچھے کی طرف لگ جاتی ہیں چنانچہ ایسی قوم کو مستقبل تاریک اور ماضی روشن نظر آتا ہے۔ یہ جہنم کی زندگی ہے۔ مسلک یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ان کے آباؤ اجداد سے ہوتا چلا آ رہا ہے وہ اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم نہیں جانتے اس کے لئے دلیل کیا ہے یا کتاب کیا کہتی ہے یہ سب ہمارے سلف صالحین جانتے ہیں ہم نہیں جانتے ہم تو ان کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ آج بھی کوئی رسالہ کوئی کتاب کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے کسی مسئلے کے متعلق یہ نہیں کیا جائے گا کہ اس کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اسلاف نے یوں کیا۔ فلاں کی سند فلاں امام اور فلاں کی فلاں عالم اور بات ختم۔ اسلاف کا مسلک اتنی بڑی سند ہے کہ قرآن کو اس کے سامنے لانے کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ اس حقیقتِ حال کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے کہ ان اسلاف پرستوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی واضح آیات پیش کی جاتی ہیں تو یہ پکارنے لگتے ہیں کہ دیکھو ان باتوں پر کان نہ دھرو۔ قرآن پیش کرنے والا نہیں

اسلاف کی راہ پر چلنے سے روک رہا ہے۔ اسلاف کے راستے سے بہکا رہا ہے۔ اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ لوگ اسلاف پرستی میں اس طرح ڈوبے ہوتے ہیں کہ انہیں یہ سب کذب اور افترا نظر آتا ہے۔ ان کا شیطانی نفس انہیں سوچنے سمجھنے اور خود پرکھنے سے باز رکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان پر عقل و فکر کے در کبھی وا نہیں ہوتے اور یہ اسلاف کے راستے پر آنکھیں بند کر کے چلتے چلے جاتے ہیں۔ جو ان کو اس کجروی سے روکنا چاہتا ہے وہ ان کی نگاہوں میں مجرم بن جاتا ہے۔ انہیں کون بتائے کہ اگر خدا کو شیوۂ تقلید منظور ہوتا تو ہر پیغمبر اپنے اجداد کی مسلک پر چلتا۔ لیکن اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اپنے اجداد کے خلاف ہی آواز اٹھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا۔ اللہ نے بندوں کی رہنمائی کے لئے رسول بھیجے جو انہیں وارننگ دیتے تھے کہ یہ روش تمہاری، تمہیں تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اس سے باز آجاؤ۔ مگر جواب یہی ملا کہ نہیں صاحب ہم نے اپنے اسلاف کو اسی راستے پر چلتے پایا ہے۔ ہمارا بھی یہی راستہ ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ نہ ہم تمہاری بات مانیں گے۔ اور یہ جواب ملتا تھا مُتْرَفُوْن کی طرف سے یعنی وہ لوگ جو محنت کے بغیر دوسروں کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ محض عقیدے کی بات نہیں تھی (اور نہیں ہے) اس میں تو معیشت کا معاملہ چھپا تھا۔ قرآن عقیدے کی بات کرتا ہوا ان لوگوں کی اصلیت واضح کرتا ہے کہ ایسا عقیدہ کون لوگ وضع کرتے ہیں۔ وہ ہیں "مترفون" سہل انگار، محنت سے جی چرانے والے۔ خود نہ کام کرنے والے لیکن لٹے چلے آرہے ہیں۔ بہترین مال و منال۔ یہ ہیں دلائل و براہین سے دور رہنے والے۔ کہ کسی دلیل کو پیش کرنے کے لئے بھی کم از کم فکری محنت تو کرنا پڑتی ہے اور فکر کی جلا کرنا تو سب سے بڑی بات ہے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ جو سوال سامنے ہے اس پر دلائل سے گفتگو کریں۔ تَتَفَكَّرُوْا کے ابدی اصول کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ کون سا وہ راستہ ہے جو صحیح رہنمائی دیتا ہے اور کیا وہ اس راستے سے بہتر ہے جو ان کے آباؤ اجداد کا راستہ ہے۔ ان کا تو سوچے سمجھے بغیر ایک ہی جواب ہوتا ہے۔ "میں نہ مانوں" پھر جب خدا کا قانونِ مکافات آکر انہیں پکڑتا ہے اور یہ جس انجام پر پہنچتے ہیں اس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ جاؤ جا کر ان قوموں کے اجڑے ہوئے کھنڈرات کو دیکھو جن کی اینٹ اینٹ پر ان کی داستان لکھی ہے کہ ان کے عمل کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس تباہی سے بچنے کے لئے اسلاف کے راستوں سے آگے بڑھنا ہوگا۔ خدا کا بتایا ہوا واحد قرآنی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ قرآن کی تعلیم ارتقائے انسانیت کی تعلیم ہے۔ قرآن میں ارتقا کا مفہوم بلندی کی طرف جانے کا ہے۔ زندگی مختلف مراحل سے گزر کر بلندیوں کی طرف چلتی جاتی ہے۔ انسان حیوان سے بلند مقام پر ہے۔ قرآن کریم نے اپنے نزول کا مقصد انسانیت کو آگے بڑھانا بتایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اتباعِ قوانین خداوندی سے زندگی پستیوں سے اوپر آجائے گی۔ اور اگر ان قوانین کی پیروی نہیں کی جائے گی تو زندگی جس مقام پر ہے وہیں رُک جائے گی۔ جامد ہو جائے گی اور جس زندگی میں جمود آجاتا ہے وہ زندگی نہیں رہتی موت ہو جاتی ہے۔

انسان طبعی طور پر تو زندہ رہتا ہے لیکن اس کی انسانیت مرجاتی ہے اور یہ صرف انفرادی طور پر ہی نہیں ہوتا۔ اجتماعی طور پر یعنی قوموں کی موت بھی اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ قرآن نے اسے عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ انسان کی فکر ارتقاء چاہتی ہے۔ اس طرف بڑھنے سے اس میں وسعت اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی قوم یہ مسلک اختیار کرے کہ فکر آخر وہی تھی جو ہزار برس پہلے امام کی تھی۔ پھر فکر میں تحرک اور نمو پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ارتقاء رک جاتا ہے۔ انسانیت کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔ ؎

عذرا ہے جبرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

قرآن ہر دور کے لئے آیا۔ وہ تمام اقوام عالم کے لئے قیامت تک کے لئے ذکر ہے۔ غور و فکر کا متقاضی بلاشبہ اسلاف نے اپنی ذہنی سطح اور زمانے کے مطابق قرآن میں تدبر کیا تو، وہ تدبر وہاں رُک تو نہیں گیا زندگی نے آگے بڑھنا ہے تو تدبر نے بھی آگے بڑھنا ہے۔ کوئی روش، کوئی مسلک جو انسان کو تدبر سے روک دیتا ہے وہ انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اسلاف کے دور میں بڑے شاندار کارنامے ہوئے تو ظاہر ہے کہ اسلاف نے بھی اپنے ماضی سے آگے بڑھ کر کچھ کیا تھا۔ ورنہ ان کا زمانہ ان کے کارنامے شاندار نہ کہلاتے۔ کلچر کے معنی ہیں ماضی کی درخشانی کو ابھارنا۔ انسانی زندگی کی مسابقت جو دوسروں کے ساتھ ہے وہ غور و فکر تدبر و تعقل کی بناء پر ہے۔ خود فطرت کا یہ قاعدہ ہے کہ جس عضو سے کام نہ لیا جائے فطرت اسے ختم کر دیتی ہے یعنی وہ کام لینے کے قابل نہیں رہتا۔ پھر جو قوم صدیوں سے تدبر و تفکر کی صلاحیتوں سے کام لینا چھوڑ دے کیا اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں قانونِ قدرت کے مطابق مفقود یا مفلوج نہ ہو جائیں گی؟

سوچنے سمجھنے کو چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اندھا گونگا اور بہرا ہو جاتا ہے۔ جب انسان کی ذہنیت یہ روش اختیار کرے تو جو کچھ سوچا جاتا تھا وہ سوچا جا چکا اور جو ہزار سال پہلے کہا گیا تھا اسی کو ماننا ہے تو پھر اس کی یہ ذہنیت زنگ بن کر اس کے دل پر مہر لگا دیتی ہے اور اس کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک غلط بات محض اس لئے سچی نہیں ہو سکتی کہ وہ پانچ سو یا ہزار سال سے غلط چلی آ رہی ہے۔ سورۂ بقرہ کی ۱۷۰ ویں آیت میں تقلید کے متعلق ایک مخصوص مثال دے کر قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے کہ نہ بولنے والے کو پتہ کہ جو الفاظ بول رہا ہوں اس کے معنی کیا ہیں نہ ہی سننے والے کو علم کہ میں کیا سن رہا ہوں۔ محض بے معنی الفاظ و آواز کے پیچھے ہو لینا تقلید ہے۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ان کے پیچھے ایک چرواہا جس کی یہ کیفیت کہ اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے باپ سے (اور یہ سلسلہ پیچھے تک چلا جاتا ہے) کچھ آوازیں سیکھی ہوئی ہیں بلا الفاظ کے۔ اور کچھ الفاظ سیکھ رکھے ہیں بغیر معنی کے یہ ہے اس کا مبلغ علم اور یہ بھیڑ بکریاں ان آوازوں پر لگی ہوئی ہیں۔ مذہب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا پرستی اس طریقہ کا نام ہے جس میں انسان عقل و فکر سے کام نہ لے اور جو کچھ ماضی سے ہوتا آ رہا ہے اسی کا پابند رہے یہ اتباع اسلاف ہے اس کا نام تقلید ہے۔ یعنی اس جانور کی طرح چلتے جانا جس کی ناک میں نکیل یا گلے میں رسی ڈال کر اس نکیل یا رسی کو دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا چلا جائے۔

یہ غلامی کی بدترین شکل ہے۔ غلامی میں انسان کا بدن مقید اور دوسرے کے تابع ہوتا ہے جبکہ تقلید میں انسان کا دل و دماغ دوسرے کی محکومی میں رہتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا سارا زور تقلید اور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے کیونکہ اس سے ان کی اپنی حاکمیت قائم رہتی ہے۔ وہ "اسلاف کے مسلک" کے نام پر اپنی من مانی کرتے ہیں اور چونکہ عقل و فکر سے کام لینا انسانوں پر حرام قرار دے دیا جاتا ہے اس لئے وہ انہیں ڈھور ڈنگر کی طرح جدھر چاہے لئے پھرتے ہیں اور یہ الفاظ ان کے کانوں میں پھونکتے جاتے ہیں کہ "جو کچھ اسلاف کہہ گئے ہیں وہ حرفِ آخر ہے اور تمام بھلائیاں اسی میں ہیں"

اس جمود کا نام رکھ دیا گیا ہے سلف صالحین کا اتباع۔ اسلاف کا احترام اپنی جگہ لیکن ان کا اتباع محض اتباع کی خاطر دین نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن کے نزدیک ہر وہ تصوّر یا نظام جس میں حرکت نہ رہے اور جامد ہو جائے دین ہے۔ اس اتباع سلف کو فقہ کے قوانین کہا جاتا ہے۔ یعنی ہزار سال پہلے کے بنے ہوئے قوانین کو آج اسی طرح نافذ کیا جائے گا اور یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں کہتا ہے۔ جبکہ فقہ کے معنی ہی غور و فکر کرنے کے ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں فقہ کی اور قوانین نافذ کیئے بالکل بجا کیا۔ لیکن اس کے بعد یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ فقہ میں ہی فقہ کرنے کی بندش لگا دی جائے۔ سند سلف صالحین کی پیروی، نام اس کا فقہ کے قوانین۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے اسلاف بس ہزار سال پیچھے تک کیوں رک گئے۔ ہم نے ان سے پہلے کے اسلاف کو کیوں چھوڑ دیا۔ اسلاف کی پیروی یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ ان کی طرح غاروں میں زندگی بسر کی جائے مردہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مقام پر ویسے کا ویسا جامد رہے ہم تو زندہ ہیں۔ پھر یہ فکری جمود کیوں۔

اقبالؒ نے کہا تھا ؎

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد   بہ یک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است   بہ خاک تو شرار زندگی نیست

حق یہی ہے کہ ماضی پرستی یعنی اسلاف پرستی کو ایمان کا حصّہ بنا لینے سے زندگی میں حرکت و حرارت باقی نہیں رہتی اور آگے بڑھنے سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسی اسلاف پرستی سے فرقوں نے جنم لیا اور ہر فرقہ اپنے اپنے اسلاف کا محافظ بن بیٹھا۔ اب ہزار برس سے گرما گرم بحثیں اسی طرح چلی آرہی ہیں کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔ جبکہ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جو گزر چکے ہیں ان کے متعلق تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ مگر یہ ہیں کہ انہی سوالات کے گرد ان کی زندگی گھوم رہی ہے اس میں کچھ کلام نہیں کہ اسلاف نے قرآن کے مطابق جو کارنامے سرانجام دیئے وہ اس کا اجر پائیں گے اور اپنے دلوں میں ان کا احترام رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے متعلق اس مثبت سوچ سے بات کی جائے کہ وہ قرآن کی تعلیم کے خلاف بات نہیں کر سکتے تھے نہ انہوں نے کی ہوگی اور یہ باتیں جو قرآن کے خلاف جاتی ہیں گر ان سے منسوب کر کے انہیں مقدّس سمجھ لیا جاتا ہے یہ سب غلط روایات ہیں۔ قرآن کے حاملین کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

قرآن نے تو مومنین کا تعارف یوں کرایا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان پر بھی اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ

یَخِرُّوا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ○ مومن عقل و فکر اور غور و تدبر کی رُو سے پہلے اپنے آپ کو مطمئن کرتا ہے۔ دلائل سے سمجھتا ہے۔ پھر آیاتِ قرآنی کی صداقت اس پر وا ہوتی ہے۔ اس طرح قبول کرنا ایمان کہلائے گا۔ یہ ہے دین اور اس کے مقابلے میں مذہب ہے جہاں دلیل کا گزر نہیں ہوسکتا۔ وہاں صحیح بات وہی ہے جو اسلاف نے کہہ دی۔ اس میں عقل کی، غور کی، تدبر کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن حکیم نے اس کی شدید مذمت کی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلاف کا القاب انہی کے لئے ہے جو ہم سے پہلے گزر گئے اور وہ ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن محض اسی چیز کو ان کی خصوصیت بنا لینا تو عقل و فہم کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر اس عقیدے کو حرزِ جاں بنائے رکھنا کیا اس لئے نہیں کہ ہمارے مرجانے کے بعد ہماری اگلی نسل ہمیں بھی "سلف صالحین" میں شمار کرنے لگے؟؟ قوموں کی زندگی میں اسلاف پرستی سب سے خطرناک وادی ہے کیونکہ اسلاف کے راستے پر چلتے ہوئے انسان ہر قسم کی ذمہ داری ان پر ڈال کر اپنے آپ کو یہ فریب دے لیتا ہے کہ میں تو بزرگوں کی راہ پر چل رہا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں یا کر رہا ہوں تو یہ انہی کا کیا اور کہا ہے۔ اگر غلط ہے تو وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ میرا اس میں کیا قصور!! اس فریب خوردہ ذہنیت سے جس قسم کا معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم خود اس میں سانس لے رہے ہیں اور ہماری خود فریبی ہمیں کچھ سوچنے نہیں دیتی۔ ہمارے تمام ارادے۔ اعمال اور فیصلے اسلاف کے فیصلوں کے تابع رہتے ہیں اور ان سے سرمو انحراف کرنے کے ہم قطعاً مجاز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ اپنے چھٹے خطبے میں لکھتے ہیں "قرآن کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے۔ اس کی متقاضی ہے کہ ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے۔ وہ ایسا کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اسلاف کے فیصلے ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔" اقبالؒ نے کہا ہے۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود　　کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

اور اس باب میں اس سے بڑھ کر کوئی رہنمائی ہو نہیں ہوسکتی جو محسنِ انسانیت سرورِ کائنات رسول اکرمؐ قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے کل نوعِ انسانی رہتی دنیا تک چھوڑ گئے ہیں۔ فرمایا "جس کا کل اور آج ایک جیسے ہیں سمجھ لیجیئے وہ تباہ ہوگیا"۔ کیا ہمیں اس روشنی کی ضرورت نہیں؟؟

---

## بقیہ لمعات: (ص ۹ سے مسلسل)

مزید یہ ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ ان قوانین میں کچھ بھی خلافِ اسلام نہیں۔ بلکہ جماعتِ اسلامی جو آج کل ان قوانین کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔ اس کے امیر نے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ان کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا۔ کسی کو شک ہو تو وہ ان کی کتاب حقوق الزوجین کا مطالعہ کرے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنی سیاسی محرومیوں کا بدلہ عورتوں سے لینا چاہتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے قوم کو ساٹھ ستر سال پیچھے دھکیل دینے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے۔

---

# سلسلۂ معارف القرآن کی اُن کتابوں کے تازہ ایڈیشن جن کا ایک عرصے سے انتظار تھا، چھپ گئے ہیں!

## (۱) جوئے نور

حضرت نوح ؑ سے لے کر حضرت شعیب ؑ تک کے سلسلۂ انبیاء کرام کے تذکارِ جلیلہ پر مشتمل

قیمت: -/۶۰ روپے

## (۲) شعلۂ مستور

حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے تذکارِ جلیلہ سلسلہ انبیائے کرام پر نگہِ بازگشت

اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے ابدی اصول پر مشتمل۔

قیمت: -/۶۰ روپے

## (۳) اِنسان نے کیا سوچا؟

زندگی کے اہم حقائق کے متعلق انسانی فکر کی کاوشیں ــــ افلاطون سے لے کر دورِ حاضر تک کے بڑے بڑے نامور مفکرین، مورخین، سائنس دانوں ماہرین سیاست و معیشت اور علمائے تمدن و تہذیب کے نزدیک

یہ کتاب، از سرِ نو نستعلیق میں کتابت کروائی گئی ہے اور سابقہ بڑے سائز کے بجائے مطالب الفرقان کے سائز (۲۰×۳۰/۸) پر طبع کی گئی ہے قیمت: -/۷۵ روپے

(ناظم)

اِدارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ لاہور

محمد اسلام

# ذکر و فکرِ پرویز

صدرِ مکرم و عزیزانِ محترم! السلام علیکم۔

بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کا دفتر، پرویز صاحب کی پیش کردہ قرآنی فکر کے سمجھنے سمجھانے کا مرکز اور اس پر بحث و تمحیص کی آماجگاہ بنا رہتا ہے باہر کے لوگ کثرت آتے ہیں۔ کچھ اپنے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے کچھ بعض نکات . . . . . کی مزید وضاحت کے لیے اور بعض اعتراضات کی خاطر۔ بزم کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے مجھے ان سے باتیں کرنی پڑتی ہیں۔ ان اعتراضات یا نکات کا تعلق نہ کسی خاص فرد سے مختص ہوتا ہے، اور نہ ہی کراچی تک محدود۔ ان کا تعلق ہماری پیش کردہ فکر اور تحریک کے وسیع تر دائرہ سے ہوتا ہے۔ اندریں حالات میں نے محسوس کیا ہے کہ اگر ان کا ملخص مختصر الفاظ میں آپ احباب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تو اس کا افادہ عام ہو جائے گا۔ میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو جوابات دیئے گئے ہیں ان کی ذمہ داری ذاتی طور پر مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ ہماری تحریک پر نہیں۔ اس لیے اگر ان کے متعلق کوئی صاحب کچھ مزید وضاحت چاہیں تو وہ مجھ سے دریافت فرمالیں۔ یہ نکات اور ان کی وضاحت، سوال و جواب کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔

## مقامِ پرویز

۱۔ **سوال** :۔ آپ لوگ پرویز صاحب کو کیا سمجھتے ہیں؟

**جواب** :۔ پرویز صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کریم پر غور و فکر میں صرف کیا ہے اور جو کچھ انہوں نے اس طرح سمجھا ہے اسے دوسروں تک بھی پہنچاتے ہیں۔ اس لیے ہم انہیں مفکرِ قرآن اور اس کی تعلیم کا مبلغ سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ کوئی ان کا دعویٰ ہے۔ نہ ہم انہیں اس سے زیادہ کوئی اور درجہ دیتے ہیں۔

۲۔ **سوال** :۔ آپ پرویز صاحب کو کس حد تک واجب الاحترام قرار دیتے ہیں ؟

**جواب** :۔ اُسی حد تک جس حد تک ایک استاد کو واجب الاحترام سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے ان سے قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کی ہے، اس لیے وہ ہمارے معلّم اور استاد ہیں۔

۳۔ **سوال** :۔ کیا آپ پرویز صاحب کے ہر قول کو دین میں سند خیال کرتے ہیں ؟

**جواب** :۔ پرویز صاحب کی تعلیم یہ ہے کہ دین میں سند صرف اللہ کی کتاب ہے۔ کوئی انسان نہیں۔ اس لیے پرویز صاحب کے اقوال کو دین میں سند سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ **سوال** :۔ کیا آپ پرویز صاحب کی تحقیق کو سہو و خطا سے منزّا خیال کرتے ہیں ؟

**جواب** :۔ قطعاً نہیں، پرویز صاحب خود اپنی ہر کتاب میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں وہ ایک انسانی کوشش ہے جو نہ سہو و خطا سے منزّا ہو سکتی ہے نہ قولِ فیصل یا حرفِ آخر۔ ان کا سارا انداز طالب العلمانہ ہے، اور ہمیں بھی وہ اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی تگ و تاز کا منتہیٰ یہ ہے کہ لوگ خود قرآن مجید کو غور و فکر سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان کی کتابیں، مقالات، خطابات، درس، گفتگوئیں، سب اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ ہم بھی ان سے اسی طرح استفادہ کرتے ہیں۔

۵۔ **سوال** :۔ آپ لوگوں کے ساتھ پرویز صاحب کا اندازِ روابط کس نوعیت کا ہوتا ہے ؟

**جواب** :۔ بالکل دوستانہ۔ انہوں نے ہمیں کبھی یہ محسوس تک نہیں ہونے دیا کہ وہ کسی طرح ہم سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے اور اپنے درمیان کبھی کوئی پردہ حائل نہیں ہونے دیا۔ نووارد دوں تک سے ان کا انداز ایسا کھلا ہوتا ہے جس سے وہ ان سے نہایت بے تکلفی سے باتیں کر سکیں۔ یہی ان کا طریقِ درس و تدریس ہے۔ ان کی زندگی نہایت سادہ، اور ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اس قدر تبحرِ علمی کے باوجود، انہوں نے کبھی کسی کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کسی بلند پایہ مفکر یا اسکالر کے سامنے بیٹھا ہے۔ ہم اپنی ذاتی زندگی کے مسائل اور معاملات تک ان کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ ایک مشفق رفیق کی طرح ہمیں مشورے دیتے ہیں۔ ان کی رائے بڑی صائب اور ان کے مشورے بڑے مفید ہوتے ہیں۔ ہماری نجی زندگی کے بیسیوں راز ان کے سینے میں مستور ہوتے ہیں اور ہمیشہ مستور ہی رہتے ہیں۔ کیا مجال جو کوئی دوسرا ان کی بھنک تک بھی پا جائے۔ معاملات کے کھرے، بات کے سچے، وعدے کے پکے، یہ ہے ان کا ہمارے ساتھ اندازِ روابط و مراسم۔ باقی رہیں ان کی محفلیں، تو وہ ایک طرف اس قدر حسین اور سادہ و شگفتہ اور دوسری طرف ایسی متین و سنجیدہ و نسیقہ ہوتی ہیں کہ وہ جو کسی نے کہا ہے کہ :۔

ان کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

اس کا دلکش منظر سامنے آجاتا ہے۔ ان کا شعر و ادب کا ذوق تو ان کی تحریروں اور تقریروں سے جھلکتا اور چھلکتا نظر آجاتا ہے۔ اگر وہ مجھے اس "راز" سے پردہ سرکانے کی جرأت کو معاف فرما دیں۔ تو عرض کروں کہ جہاں تک ان کے ذوقِ موسیقی کا تعلق ہے میں نے اچھے اچھے ماہرینِ فن کو یہ کہتے سُنا ہے کہ اُن جیسا گوشِ نغمہ شناس بہت کم ملے گا۔ لیکن اس میں بھی احتیاط کا یہ عالم کہ ——— در جنوں از خود نرفتن، کارِ ہر دیوانہ نیست ——— پرویز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ جو شخص تحسینِ حُسنِ کائنات کی حسِ لطیف سے محروم ہے وہ قرآنی حقائق کو ( APPRECIATE ) نہیں کر سکتا۔

## نام پرویز

۶۔ **سوال**:۔ پرویز صاحب نے اپنا نام پرویز رکھ چھوڑا ہے حالانکہ خسرو پرویز وہ تھا جس نے حضورؐ کے نامۂ گرامی کو پھاڑ ڈالا تھا اور ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا تھا۔

**جواب**:۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ بد بخت ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا تھا جس کی وجہ سے ہم بھی اسے ملعون سمجھتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں ایک اصولی نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ کسی خبیث کی خباثت سے اس کے نام کے الفاظ خبیث نہیں بن جاتے۔ الفاظ کی حیثیت اپنی ہوتی ہے۔ وہ بدستور استعمال ہوتے رہتے ہیں اور اسے قطعاً قابلِ اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں، لیکن میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پرویز قدیم فارسی زبان کا لفظ ہے اور ایک بلند ترین ستارے کا نام۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ (پیامِ مشرق میں) کہتے ہیں۔

گفتند فرد آئے
ز اوجِ مرو پرویز

اسی نسبت سے اس لفظ کے معنی رفعت اور بلندی کے ہوگئے۔ علامہ اقبالؒ نے اس لفظ کو اپنے کلام میں بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے خسرو پرویز کی شوکت و حشمت کو بھی بنظرِ استحسان دیکھا ہے۔ ان کی اس حسین ترین آرزو کا کسے علم نہیں جس میں انہوں نے بحضور رب العزت دُعا کی ہے کہ:۔

فقر بخشی ! با شکوہِ خسروِ پرویز بخش  یا عطا فرما خرد با فطرتِ روح الامین،

یا چناں کن ، یا چنیں

وہ بالِ جبریل میں کہتے ہیں ــــ بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی ــــ دوسرے مقام پر ہے :-

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

ضربِ کلیم میں انہوں نے مومن کے متعلق کہا ہے :-

اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

اس لفظ کی معنوی رفعت، حسنِ صوت اور علامہ اقبالؒ کے کلام میں اس کی دلکشی پر اگر پرویز صاحب نے اسے اپنے قلمی نام کے لیے اختیار کر لیا تو کونسا جرم ہو گیا ؟ یوں بھی دیکھئے تو پاکستان میں ہزاروں، لاکھوں افراد کا نام پرویز ہے۔ کیا یہ بات معنی خیز نہیں کہ ان میں سے کسی کے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا اور ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے تو صرف پرویز صاحب کو ! اس سطح پر اُتر آیئے تو مسلمانوں میں سب سے زیادہ قابلِ اعتراض نام "ابوالاعلیٰ" ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم میں الاعلیٰ کبھی اس پست سطح پر نہیں اُترتے۔ ویسے بھی، اگر معنوی لطافت کے اعتبار سے دیکھئے، تو پرویز صاحب خسرو پرویز کو کھینچ کر اس مقام پر لے آئے ہیں جہاں اسے صحیح معنوں میں ہونا چاہیئے تھا۔ خسرو پرویز بارگاہِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گستاخ مجرم تھا۔ پرویز صاحب نے اُسے ــــــ غلام احمد - پرویز ــــــ بنا دیا۔ یہی اس کا صحیح مقام تھا جس سے اس سوختہ بخت نے اپنے آپ کو محروم کر لیا تھا۔

## منکرِ حدیث

۷۔ **سوال** :- پرویز صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ اس کی بابت آپ کیا کہتے ہیں۔

**جواب** :- یہ اُس جھوٹے پروپیگنڈہ کی ایک کڑی ہے جو خاص مقاصد کے تحت ان کے خلاف جاری ہے۔ میں، حدیث اور اس کے مقام کی بحث میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ وہ بڑی تفصیل طلب ہے۔ جو حضرات اس سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "مقامِ حدیث" کا مطالعہ فرمالیں۔ اس وقت میں صرف ایک نکتہ پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں۔ پرویز صاحب کا مسلک یہ ہے کہ، ہمارے احادیث کے مجموعوں میں بدقسمتی سے صحیح احادیث بھی ہیں اور وضعی بھی۔ ان میں جس قدر احادیث ایسی ہیں جو

قرآنِ کریم کے خلاف نہیں ہیں، انہیں صحیح تسلیم کرتا ہوں۔ جو قرآن مجید کے خلاف ہیں، یا جن سے حضور نبی اکرمؐ یا صحابۂ کبارؓ کی سیرت، (معاذ اللہ) داغدار ہوتی ہے، انہیں صحیح نہیں مانتا۔ ان کے برعکس، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والی جماعت کے سرخیل، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ "احادیث کے مجموعوں میں صحیح احادیث بھی ہیں، اور غلط بھی"۔ صحیح وہ ہیں جنہیں "مزاج شناسِ رسولؐ" کی نگہِ بصیرت صحیح قرار دے دے۔ اور، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ان کی جماعت کے تصوّر کی رُو سے "مزاج شناسِ رسولؐ" خود مودودی صاحب ہیں۔ بالفاظِ دیگر، پرویز صاحب کے نزدیک احادیث کے پرکھنے کا معیار قرآن مجید ہے، اور مودودی صاحب کے نزدیک اس کا معیار ان کا اپنا فیصلہ ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ لگا لیجیے کہ منکرِ حدیث کون ہے؟ آپ زیادہ نہیں تو پرویز صاحب کی ایک کتاب "معراجِ انسانیت" یعنی حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرتِ طیّبہ — اُٹھا کر دیکھ لیجیے کہ اس میں انہوں نے کس قدر احادیث درج فرمائی ہیں۔

# منکرِ سُنّت

۸۔ سوال:۔ پرویز صاحب کو منکرِ سُنّتِ رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب:۔ اس کے متعلق بھی میں لمبی چوڑی بحث میں اُلجھے بغیر صرف ایک شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ ہے پرویز صاحب کا نماز کے متعلق مسلک۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ نماز کے جو اوقات، یا طریقے اُمّت میں رائج چلے آ رہے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل، یا حک و اضافہ کرنے کا حق کسی فرد یا فرقہ کو حاصل نہیں۔ ان کی اسی طرح پابندی کئے جانا چاہیئے تا آنکہ، (کبھی) خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت قائم ہو تو وہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات میں اتحاد کی صورت پیدا کر دے۔ اپنے اس مسلک کی رو سے وہ خود بھی مروّجہ طریق کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اور ہمیں بھی اسی کی تلقین کرتے رہتے ہیں! اب آپ سوچیئے کہ نماز کے پانچ اوقات، مختلف اوقات کی نمازوں کی رکعتیں اور دیگر جزئیات وغیرہ قرآنِ کریم میں تو ہیں نہیں، بہر حال انہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اب جو شخص ان جزئیات تک کی اس طرح پابندی کرے اُسے متبعِ سُنّتِ رسولؐ اللہ کہا جائے گا یا منکرِ سُنّت؟ —— ذرا سوچ سے کام لیجیے کہ یہ سوچنے کی بات ہے۔ منکرِ سُنّتِ رسولؐ اللہ فرقۂ اہلِ قرآن ہے جس نے نماز کے اوقات اور جزئیات خود وضع کر لی ہیں۔ پرویز صاحب اس فرقہ کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا پمفلٹ "فرقہ اہلِ قرآن کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں" ملاحظہ فرمائیے۔ پرویز صاحب کے برعکس، مودودی صاحب

فرماتے ہیں کہ جتنی باتیں رسول اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان میں سُنّت ان امور کو کہا جائے گا جن پر حضورؐ نے بہ حیثیت رسُول عمل فرمایا، نہ کہ بہ حیثیت ایک انسان کے۔ اس بات کا فیصلہ کہ حضورؐ نے ان میں سے کونسے امور بہ حیثیتِ رسُول متعین فرمائے تھے اور کون سے بہ حیثیت انسان، "مزاج شناسِ رسُولؐ" کی نگہ بصیرت کرے گی۔ یعنی مودودی صاحب — ان کا ارشاد یہ ہے کہ جو امور سُنّت نہ ہوں انہیں سُنّت قرار دے دینا دین میں تحریف ہے۔ اس سے آپ خود فیصلہ فرما لیجیے کہ منکرِ سُنّتِ رسُول اللہ کون ہے اور مودودی صاحب نے اپنے لیے کونسا مقام منتخب کر رکھا ہے۔ واضح رہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے ایک ایک لفظ کی سند اور اتھارٹی میرے پاس موجود ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ مجھ سے پوچھ سکتا ہے۔

## نیا فرقہ

۹۔ **سوال** :۔ پرویز صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نیا فرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ اسی جہت سے آپ لوگوں کو پرویزی کہا جاتا ہے؟

**جواب** :۔ ہمیں اس کا بخوبی علم ہے لیکن اس کے متعلق بھی ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں — جہاں تک میری نگاہ میری راہنمائی کرتی ہے پرویز صاحب (غالباً) پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآنِ کریم کے واضح ارشادات کے مطابق یہ کہنے کی جرأت کی ہے کہ دین میں فرقے پیدا کرنا شرک ہے اور ایسا کرنے والوں کا رسُول اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اب آپ خود سوچئے کہ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو گیا وہ خود کوئی فرقہ پیدا کرے گا، اور کیا ہم لوگ قرآنِ کریم کے واضح ارشادات کے بعد، اپنے آپ کو ایک نئے فرقہ کے ساتھ منسلک کر لیں گے؟ نیا فرقہ تو ایک طرف، ہم تو مروجہ فرقوں میں سے کسی فرقہ کے ساتھ بھی اپنی نسبت کرنا شرک سمجھتے ہیں۔ اس اصولی نکتہ کے بعد آپ عمل کی طرف آیئے۔ اعتقادات تو نظری ہوتے ہیں لیکن فرقہ کی عملی پہچان یہ ہے کہ فرقہ اپنی اپنی نماز الگ پڑھتا ہے۔ کیا آپ نے سارے پاکستان میں یا (بیرونِ پاکستان) کسی ایک جگہ بھی یہ دیکھا ہے کہ (آپ کے کہنے کے مطابق) "پرویزی فرقہ" کے لوگ الگ نماز پڑھتے ہوں؟ اس باب میں پرویز صاحب کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ طلوعِ اسلام کنونشن کے موقع پر بھی فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کنونشن کے پنڈال یا اقامت گاہ میں نہ پڑھی جائے۔ قرب وجوار کی مساجد میں جا کر پڑھی جائے۔

**پرویزی** کا لفظ بھی انہی بہتان تراشیوں کا وضع کردہ ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو

پرویزی نہیں کہتا، اور پرویز صاحب ایسا کہنے والے کو سازشی اور تحریکِ طلوعِ اسلام کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں۔ فرمائیے، اس کے بعد بھی آپ کہیں گے کہ پرویز صاحب کوئی الگ فرقہ پیدا کر رہے ہیں؟

## بلا فرقہ

۱۰۔ **سوال**:۔ جب آپ کسی فرقہ سے متعلق نہیں تو پھر زندگی کس نہج کے مطابق بسر کرتے ہیں؟

**جواب**:۔ اسی طرح، جس طرح اُمت، حضور نبی اکرم کے عہدِ مبارک میں زندگی بسر کرتی تھی جب کوئی فرقہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ حضورؐ نبی اکرم اور صحابہ کبارؓ نہ سُنی تھے نہ شیعہ۔ نہ اہلِ حدیث تھے نہ اہلِ فقہ۔ نہ حنفی تھے نہ شافعی۔ نہ مالکی تھے نہ حنبلی۔ نہ دیوبندی تھے نہ بریلوی۔ وہ مسلمان تھے اور صرف مسلمان۔ اسی طرح ہم بھی مسلمان ہیں اور صرف مسلمان۔ جن عقائد کو قرآن مجید کی سند اور تصدیق حاصل ہے وہ ہمارے عقائد ہیں جو قرآن کریم کے خلاف جاتے ہیں، انہیں ہم مسترد کرتے ہیں۔

## دعویٰ کریں گے

۱۱۔ **سوال**:۔ کہا جاتا ہے کہ پرویز صاحب کسی دن وحی اور الہام کا دعویٰ کر دیں گے۔

**جواب**:۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پرویز صاحب ایسا "کریں گے"، تو ایسا کہنے والا علمِ غیب کا مدعی بنتا ہے۔ اور قرآنِ کریم کی رُو سے علمِ غیب خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ باقی رہی قرائن کی شہادت تو سوچئے کہ جو شخص، وحی تو ایک طرف، کشف اور الہام کے عقیدہ کو بھی ختمِ نبوّت کے عقیدہ کے منافی سمجھتا ہو، وہ کسی قسم کا دعویٰ کر سکے گا؟ جہاں تک ختمِ نبوّت کا تعلق ہے، پرویز صاحب نے گذشتہ چالیس سال سے "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مہم جاری کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ریاست بہاول پور کی ایک عدالت نے ۱۹۳۵ء میں جو فیصلہ دیا تھا کہ ایک مسلمان "احمدیت" اختیار کر لینے کے بعد دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، وہ فیصلہ بھی پرویز صاحب کے ایک مقالہ پر مبنی تھا۔ اس کا ذکر خود اس فیصلہ میں موجود ہے۔ تفصیل اِن اُمور کی پرویز صاحب کی کتاب "ختمِ نبوّت اور تحریکِ احمدیت" میں مِلے گی۔ اس میں آپ کو پرویز صاحب کے اس عقیدہ کا ثبوت بھی مِلے گا کہ کشف و الہام وغیرہ جیسے عقائد ختمِ نبوّت کی مُہر توڑ ڈالتے ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق مشہور کرنا کہ وہ مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر دے گا انتہائی درجہ کا کذب و افترا نہیں، تو اور کیا ہے؟ لیکن جماعتِ اسلامی سے متعلق حضرات اس باب میں مجبور ہیں۔ اس لیے کہ ان کے قائد، مودودی صاحب

**ختمِ نبوّت**

کا ارشاد ہے کہ زندگی کی بعض ضرورتوں کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ بیچارے، اس "شرعی وجوب" کی رُو سے، پرویز صاحب کے خلاف، دروغ بافی کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ اللہ ان کی حالت پر رحم کرے!

## منفرد تعلیم

۱۲۔ سوال:۔ اسلام کے متعلق تعلیم مختلف اداروں اور اشخاص کی طرف سے ملتی ہے۔ آپ کو جو تعلیم پرویز صاحب کے یہاں سے ملتی ہے اس میں کونسی خاص بات ہے اور وہ کس طرح منفرد حیثیت رکھتی ہے؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب بڑا تفصیل طلب ہے۔ لیکن اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ پرویز صاحب نے ہمیں بتایا ہے کہ اسلام مذہب نہیں، دین ہے۔ مذہب، خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہوتا ہے جس میں ہر شخص، ہر فرقہ، اور ہر مذہب کا پیرو، چند رسومات ادا کر کے اس خوش فہمی میں مگن ہو جاتا ہے کہ اس نے خدا سے تعلق قائم کر لیا ہے۔ اس سے اُسے آخرت میں نجات حاصل ہو جائے گی۔ اس کے برعکس، دین اس مملکت کے نظام یا ضابطۂ حیات کا نام ہے جس میں تمام کاروبار قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پاتے ہیں۔ اس نظام کے نتائج اس قوم کو زندگی کی خوشگواریاں اور سرفرازیاں عطا کر دیتے ہیں اور نوعِ انسانی کے لیے امن و سلامتی کا ضامن قرار پاتے ہیں۔ اس میں چونکہ ہر دعویٰ کی صداقت کا ثبوت اس کے عملی نتائج فراہم کرتے ہیں اس لیے اس میں کوئی شخص یا قوم کسی قسم کی خود فریبی کا شکار نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے اسلام کے متعلق وہ بنیادی نکتہ جو پرویز صاحب نے ہمیں سمجھایا ہے۔

## فرق کیا ہے!

۱۳۔ سوال:۔ اور بھی کئی ادارے ایسے ہیں جو دین کا اسی قسم کا تصور پیش کرتے ہیں۔ ان میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ اصل بات تصور پیش کرنے کی نہیں۔ اصل بات اس نظامِ مملکت کی عملی تشکیل کی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مملکت کا وجود اس ضابطۂ آئین و قوانین کی رو سے متشکل ہوتا اور قائم رہتا ہے جو اس میں عملاً نافذ ہوں۔ جب ہم "مملکت کے قوانین" کہتے ہیں تو اس سے مراد وہ قوانین ہیں جو اس مملکت کے تمام باشندوں پر (یعنی اسلامی مملکت کے تمام مسلمان باشندوں پر) یکساں طور پر لاگو ہوں۔ اس

وقت پاکستان کے مسلمان باشندے مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور ہر فرقہ کے اپنے اپنے قوانینِ شریعت ہیں جنہیں ان کی فقہ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی فقہ بھی ایسی نہیں جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کرکے اسے مملکتِ پاکستان قوانین قرار دے دیں۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ ضابطۂ قوانین کس طرح مرتب کیا جائے جس کا اطلاق تمام مسلمان باشندوں پر یکساں طور پر کیا جا سکے۔ مذہبی پیشوائیت کی طرف سے اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ ضابطہ "کتاب و سُنّت" کی رُو سے مرتب کیا جائے۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے جو قوم کو دیا گیا۔ اس لیے کہ ہر فرقہ کی "سُنت" ہی الگ الگ نہیں، بلکہ سُنت کی تعریف (DEFINITION) بھی اپنی اپنی ہے ان کی نظر کا دارومدار ان کی اپنی تسلیم کردہ سُنت پر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس سنت کی بنیادوں پر اس قدر مختلف فقہیں وجود پذیر ہیں اسکی رُو سے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین کس طرح مرتب ہو سکے گا؟ اس کا جواب کوئی نہیں دیتا۔ لیکن کتاب و سنت کے الفاظ سب دہرائے جاتے ہیں۔

پرویز صاحب نے کہا کہ سنّت کی تعریف ہر فرقہ کی الگ الگ ہے۔ فقہیں ان کی اپنی اپنی ہیں۔ لیکن ایک ایسی چیز ہے جو ان سب میں مشترک، اور متفق علیہ ہے اور اس کے دین کی بنیاد ہونے پر بھی سب کا ایمان ہے۔ اور وہ ہے قرآنِ مجید — مملکت کا ضابطۂ قوانین، قرآنِ مجید کی بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ چونکہ کوئی فرقہ، جماعت یا ادارہ نہیں چاہتا کہ ایک متفق علیہ ضابطۂ قوانین مرتب ہو جائے کیونکہ اس سے ان کا الگ تشخص اور امتیازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس سے مذہبی پیشوائیت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ان کی طرف سے پرویز صاحب کی اس آواز کی مخالفت ہوئی۔

## مخالفت

انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ ایسا ضابطۂ قوانین مرتب ہو جائے۔ انہوں نے یہ مخالفت یہ کہہ کر کی کہ پرویز صاحب "منکرِ سُنّت" ہیں۔ قریب بیس سال تک یہ مخالفت اور پروپیگنڈہ جاری رہا — اور اس میں جماعت اسلامی پیش پیش رہی۔ تاآنکہ مودودی صاحب کو تنگ آکر ۱۹۷۰ء میں اس حقیقت کا اعتراف اور اعلان کرنا پڑا کہ کتاب و سُنّت کی رُو سے واقعی کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ (ملاحظہ ہو ایشیا بابت ۲۲ / اگست ۱۹۷۰ء)

۱۴- سوال:- تو اس سے کم از کم اس جماعت کی طرف سے پرویز صاحب کی مخالفت ختم ہو جانی چاہیئے تھی اور انہیں ان کے مطالبہ کی تائید کرنی چاہیئے تھی کہ مملکتِ پاکستان کے لیے ضابطۂ قوانین قرآن مجید کی بنیادوں پر مرتب کرنا چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی مخالفت بدستور جاری ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب:- ایسا کیوں ہے کا جواب تو آپ جماعتِ اسلامی سے مانگیئے۔ لیکن یہ سُن کر آپ متعجب ہونگے

کہ مودودی صاحب نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان بھی کر دیا کہ "کتاب و سُنت" کی رُو سے کوئی متفق علیہ ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا اور اس کے بعد مطالبہ وہی جاری رکھا کہ یہ ضابطۂ قوانین "کتاب و سُنت" کی بنیادوں پر مرتب ہونا چاہیئے۔

۱۵- **سوال** :- یہ بات تو بڑی حیرت انگیز ہے کہ ایک بات کو ناممکن بھی قرار دے رہے ہیں اور اس کے مطابق ضابطۂ قوانین مرتب کرنے کا مطالبہ بھی کئے جا رہے ہیں، اس کی کوئی وجہ ضرور ہو گی ؟

**جواب** :- اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ مودودی صاحب کا مقصد نہ اسلامی مملکت کے لیے کوئی ضابطۂ قوانین مرتب کرنا ہے، نہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ، ان کے پیشِ نظر، پہلا مقصد یہ ہے کہ ہر حکومت کے اربابِ اقتدار کو بدنام کرتے جائیں کہ یہ مکار اور فریب کار ہیں جو اسلامی قوانین نافذ نہیں کرنا چاہتے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک ناممکن العمل فارمولا پیش کر دیا جائے اور جب اس پر عمل نہ ہو سکے تو مشہور کر دیا جائے کہ یہ لوگ ہیں ہی بدنیت، اقتدار ہمارے ہاتھ میں دو۔ پھر دیکھو کہ ہم کس طرح ایک دن میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کر دیتے۔ مودودی صاحب اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کے اس مقصد کے حصول میں پرویز صاحب سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس لیے وہ ان پر کیچڑ اچھالتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر آپ اس کی تصدیق چاہتے ہیں تو مودودی صاحب سے دریافت کیجیے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب و سُنت کی رُو سے کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں کیا جا سکتا جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہو تو پھر آپ اس مطالبہ کو دُہرائے کیوں جاتے ہیں، اور وہ کون سا ضابطۂ قوانین ہے جسے آپ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لینے کے ساتھ ہی نافذ کریں گے اور وہ سب فرقوں کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کیا جائے گا! آپ یہ سوال ان سے کیجیئے اور پھر دیکھئے کہ وہ جواب کیا دیتے ہیں۔

## کمیونسٹ

۱۶- **سوال** :- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرویز صاحب کمیونسٹ ہیں ؟

**جواب** :- ہمارے یہاں مصیبت یہ ہے کہ کسی شخص کے خلاف جو جی میں آئے کہہ دیجیے۔ نہ تو سُننے والا اس کہنے والے سے کوئی ثبوت طلب کرے گا، نہ ہی اس شخص سے جس کے خلاف وہ کچھ کہا جا رہا ہے، خود دریافت کرنے کی زحمت گوارا کرے گا کہ اس الزام میں کہاں تک صداقت ہے۔ بس بات سُنی اور لے بھاگے! اور پھر جب اس قسم کے بہتان تراشنے اور پھیلانے والی مشینری جماعتِ اسلامی کی سی ہو، تو اس پروپیگنڈے کی وسعتیں حدود نا آشنا ہو جاتی ہیں۔ اس الزام کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنے

کی ضرورت نہیں کہ طلوعِ اسلام کی متعدد اشاعتوں میں آپ کو یہ فقرہ دکھائی دے گا کہ "نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہو سکتا ہے، نہ کوئی مسلمان کمیونسٹ"۔ اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ کیا پرویز صاحب کمیونسٹ ہو سکتے ہیں! ہمارا خیال ہے کہ اس دور میں کمیونزم یا سوشلزم کے خلاف جس قدر پرویز صاحب نے لکھا ہے شاید ہی کسی اور نے لکھا ہو۔ اصل یہ ہے کہ پرویز صاحب نظامِ سرمایہ داری کے سخت خلاف ہیں کیونکہ قرآن کریم اس نظام کے خلاف چیلنج ہے۔ یہ بات ہمارے قدامت پرست طبقہ اور مذہبی پیشوائیت پر (جن میں جماعتِ اسلامی بھی شامل ہے) سخت گراں گزرتی ہے۔ اب انہیں یہ کہنے کی تو جرأت نہیں ہوتی کہ پرویز صاحب نظامِ سرمایہ داری کے خلاف کیوں ہیں۔ ان کی مخالفت کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مشہور کر دیا جائے کہ پرویز صاحب کمیونسٹ ہیں۔ اس سلسلہ میں میں معترضین سے صرف اتنا کہا کرتا ہوں کہ آپ زیادہ نہیں تو پرویز صاحب کے صرف تین پمفلٹ پڑھ لیں۔ یعنی۔ مارکس اور قرآن ـــــ اسلامی سوشلزم ـــــ اور جہاں مارکس ناکام رہ گیا اس سے آگے۔ ان سے آپ کو قرآنِ کریم کا معاشی نظریہ بھی معلوم ہو جائے گا اور پرویز صاحب کا مسلک بھی۔

## عملی سیاست

۱۷۔ سوال:۔ آپ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دور، میکیاولی سیاست کا ہے اور کوئی شخص قرآنی حدود میں رہتے ہوئے اس سیاست میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس میں کامیاب ہونے کے لیے جماعتِ اسلامی جیسی پالیسی کا اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ پالیسی یہ ہے کہ:

(۱) زندگی کی بعض ضروریات کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) نظری طور پر اصولوں کا پرستار ہونا اور عملاً ان اصولوں کے خلاف جانا ضروری ہوتا ہے۔ نیز انہیں وقتی مصلحتوں کے مطابق بدلتے رہنا بھی اور

(۳) دشمن کو شکست دینے بلکہ قتل کرا دینے کے لیے ہر قسم کی فریب دہی جائز قرار پاتی ہے۔

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۵۸ء)

ہم سے یہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

## طریقِ کار

۱۸۔ سوال:۔ جب آپ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے تو ملک میں قرآنی نظام قائم کرنے کے لیے کیا طریقِ کار اختیار کرتے ہیں؟

جواب :- وہی طریق جسے قرآن کریم نے تجویز کیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ کسی قوم میں صحیح انقلاب نہیں آسکتا جب تک اس قوم میں ذہنی اور قلبی انقلاب (یعنی نفسیاتی) تبدیلی نہ پیدا ہو جائے۔ یہ تبدیلی پیدا ہو گی قوم میں صحیح قرآنی فکر کے عام کرنے سے اور یہی ہماری زندگی کا مشن ہے۔ پرویز صاحب نے بھی اپنی زندگی اس مقصد کے لیے وقف کر رکھی ہے اور ہم بھی اسی میں ان کے رفیق و معاون بنتے ہیں۔ تنظیمی طور پر اس کی شکل یہ ہے کہ اس فکر کا مرکز ادارۂ طلوعِ اسلام ہے۔ جو احباب اس فکر سے متفق ہیں انہوں نے (پاکستان اور بیرونِ پاکستان) مختلف شہروں میں بزمیں قائم کر رکھی ہیں جو ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والی فکر کی اپنے اپنے حلقہ میں، علیٰ قدرِ وسعت، نشر و اشاعت کرتی ہیں۔ اس کا ذریعہ پرویز صاحب

## غریبوں کی تحریک

کی تصنیفات، ان کے خطابات اور رسائل پر مبنی پمفلٹ۔ ان کا ہفتہ وار قرآنی درس جو ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کرایا جاتا ہے۔ نیز اہم تقاریب پر اجتماعات کا انعقاد۔ یہ بزمیں بالعموم قلیل آمدنی والے ارکان پر مشتمل ہیں کیونکہ سرمایہ دار طبقہ قرآنی فکر اور نظام کی حمایت کر نہیں سکتا۔ اس وجہ سے ان بزموں اور خود مرکزی ادارہ کے وسائل بڑے محدود ہیں۔ خارج کے کسی گوشے سے ہمیں کسی قسم کی کوئی امداد نہیں ملتی۔ اور نہ ہی ہم زکوٰۃ، صدقات، فطرانہ وصول کرتے یا قربانی کی کھالیں اکٹھی کرتے ہیں اور نہ ہی ہم پبلک سے چندوں کی اپیل کرتے ہیں۔ یہ غریبوں کی تحریک ہے اس لیے اس کی سرگرمیوں کا دائرہ بھی بہت محدود ہے۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ کسی کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں اور آواز اس کی حق پر مبنی ہے ـــ اور حق میں زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی قوت مضمر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ خارجی سہاروں کے بغیر ہی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے۔ اتنی تیزی سے کہ ہم، تشنہ لبوں کی تسکین کا سامان بھی بمشکل فراہم کر پاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم مطمئن ہیں کہ آخر الامر کامیابی اسی (قرآنی) فکر ہی کو ہو گی کہ یہ خدا کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ اس کا ارشاد ہے کہ قرآنی نظام نظامہائے عالم پر غالب ہو کر رہے گا۔

## تعلیم و تربیت

۱۹- سوال :- قوم میں نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے آپ نے انہی ذرائع کو کافی سمجھا ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور طریقِ کار بھی آپ اختیار کرتے ہیں یا آپ کے پیشِ نظر ہے۔

جواب :- اصل اور اہم طریقِ کار تو اور ہے۔ پرویز صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ قوم میں نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کا طریق یہ ہے کہ اس کی آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر کی جائے۔ اس کے لیے

انہوں نے پیہم اور مسلسل کوشش کی کہ تعلیم کے نظام اور نصاب میں صحیح (قرآنی) تبدیلی کرنے کا انتظام حکومت کی طرف سے ہو۔ واضح رہے کہ چونکہ پرویز صاحب نے تحریکِ پاکستان میں بڑا مؤثر حصّہ لیا تھا اس لیے اس تحریک کے اکابرین کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ کم و بیش یہی وہ اکابرین تھے جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار آتا رہا۔ اس بنا پر ان اربابِ اقتدار تک پرویز صاحب کی آواز براہِ راست پہنچتی تھی۔ تعلیمی تبدیلی کے ضمن میں ان حضرات میں سے قریب قریب ہر ایک پرویز صاحب کی اسکیم سے متفق تھا، لیکن (میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ قوم کی بدقسمتی کہ) ان میں سے کوئی بھی اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لیے آمادہ نہ ہوا ——— عشقِ نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا۔

## اپنی درس گاہ

۲۰۔ سوال :۔ سُنا ہے پرویز صاحب نے ایک اپنی درسگاہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اُس کا کیا ہوا؟

جواب :۔ جی ہاں! انہوں نے اربابِ حکومت کی طرف سے مایوس ہو کر فیصلہ کیا کہ مختصر پیمانہ پر ہی سہی، ایک مثالی درسگاہ یا مرکزِ تحقیقاتِ قرآنی قائم کر کے اسے بطور نمونہ قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ قوم نے اس اسکیم کا نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سب سے پہلا مرحلہ حصولِ اراضی کا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ عام مالکانِ اراضی کی فریب کاریوں سے بچنے کے لیے مطلوبہ اراضی حکومت کی وساطت سے خریدی جائے۔ اسے اراضی (ACQUIRE) کرنا کہتے ہیں۔ تین چار سال کے صبر آزما، طویل مراحل طے کرنے کے بعد اسکیم کامیابی کے آخری مرحلہ پہنچ گئی اور زمین کا قبضہ ملنے میں چند ماہ باقی تھے کہ وہ قطعہ اراضی ایک صاحبِ اقتدار کو پسند آگیا اور انہوں نے یہ کہہ کر کہ "ایں دفترِ بے معنی، غرقِ مئے ناب اُولےٰ" ساری اسکیم کو منسوخ کرا دیا۔ معاملہ ہائی کورٹ میں ہے اس لیے اس سے زیادہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ یہ کچھ آنے والا مؤرخ کہے گا کہ ایک دھاندلی سے، قوم کتنی بڑی انقلاب انگیز سعادت اور حیات بخش درخشندہ مستقبل سے محروم ہو گئی!

بایں ہمہ، مفکرِ قرآن مایوس نہیں۔ وہ اس پیرانہ سالی میں بھی جواں ہمت ہے، اسے ہائی کورٹ کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

## تصانیف

۲۱۔ سوال :۔ پرویز صاحب نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کا کیا یہ انداز ہے کہ جو موضوع سامنے آگیا، اس پر ایک کتاب تصنیف کر دی۔ یا ان میں کوئی ربط ہے؟

**جواب:** - پرویز صاحب کی ساری زندگی میں ربط ہے۔ ان کی فکر میں ربط ہے۔ ان کی اسکیموں میں ربط ہے لہٰذا ان کی تصانیف میں بھی ربط ہے اور یہ ربط بڑا عمیق بھی ہے اور لطیف بھی۔ یہ موضوع بڑی تفصیل چاہتا ہے لیکن چونکہ ہے بڑا اہم اس لیے میں، اختصار ہی سے سہی، اس کے متعلق اپنے تاثرات پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ پرویز صاحب کی زندگی کا مشن ہے عالمگیر انسانیت کو خدا کی کتابِ عظیم کے قریب لانا۔ ان پر اس حقیقت کا منکشف کرنا کہ انہیں زندگی کے اہم مسائل کا حل صرف اس ضابطۂ حیات سے ملے گا۔ اس مشن کی ابتدا وہ اپنے قریبی ماحول سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے سامنے سب سے پہلے دو طبقے آئے۔ ایک اہلِ مذاہب کا جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس خدا کی راہنمائی موجود ہے اس لیے انہیں کسی اور ہدایت کی احتیاج نہیں۔ اور دوسرا وہ طبقہ جو مذاہب سے بیزار ہو کر اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ انسانی مشکلات کے حل کے لیے کسی خارجی (آسمانی) راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ عقلِ انسانی ان مشکلات کا حل دریافت کرنے کے لیے کافی ہے۔ پرویز صاحب نے سب سے پہلے اسی طبقے کو درخورِ تخاطب قرار دیا جو تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے لیے انہوں نے وہ کتاب مرتب کی جس کی میرے خیال میں، مثال نہیں ملے گی۔ یعنی "انسان نے کیا سوچا"۔ اس میں انہوں نے سقراط (SOCRATES) سے لے کر آئن سٹائن اور وہائٹ ہیڈ تک، دنیا بھر کے مختلف ادوار کے فلاسفروں، سائنسدانوں، مؤرخوں، موجد محققوں، سیاستدانوں اور معیشت کے ماہروں، تہذیب و تمدن کے عالموں، فلسفۂ مذہب کے علمبردار کی اہم تصانیف و تحقیق کا ملخص اُردو زبان میں پیش کر دیا۔ اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ کسی پر تنقید نہیں کسی کی تردید نہیں۔ کسی کی تنقیص نہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا۔ لیکن سحر آفرینی کا یہ عالم ہے کہ جب پڑھنے والا اسے ختم کرتا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو اس نتیجہ پر پاتا ہے کہ انسانی زندگی کے اہم مسائل کا حل تنہا فکرِ انسانی کے بس کی بات نہیں۔ اسے کسی خارجی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور جب وہ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے تو فطری طور پر اس کا ذہن اس کی جستجو کرتا ہے کہ وہ خارجی راہنمائی کیا ہے کہاں سے ملے گی؟

## انسان نے کیا سوچا

اس کتاب نے قوم کے نوجوان طبقہ کی کایا پلٹ دی ہے۔ وہ اسے اٹھاتے تو مذہب کی کتاب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے اور کتاب ختم کرنے کے بعد دیوانہ وار، صاحبِ کتاب کی طرف لپکتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ راہنمائی کہاں سے ملے گی۔ مذہب سے برگشتہ نوجوانوں کے دل میں تلاشِ حقیقت کی تڑپ پیدا کر دینا، یہ اس کتاب کا اعجاز ہے۔ اس سے جہاں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کتاب کے مصنف کو علومِ انسانی پر کس قدر عبور حاصل ہے

اور اس کی افقِ نگاہ کس قدر وسیع ہے، وہاں یہ دیکھ کر بھی حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے نوجوان نسل کے قلب و دماغ میں ایسی خوشگوار تبدیلی پیدا کرنے کے لیے طریق کس قدر غیر محسوس اور مؤثر اختیار کیا ہے۔

## آسمانی کتابیں

دوسری طرف اہلِ مذاہب کو لیجیے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس آسمانی راہنمائی موجود ہے۔ پرویز صاحب نے دُنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب۔ یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، ہندو دھرم، بُدھ مت، جین مت، شنٹو ازم، طاؤ ازم وغیرہ کی مبینہ آسمانی کتابوں کی شہادات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کے ہاں بھی وہ کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں جو ان کے بانیٔ مذہب نے انہیں دی تھی۔ انہیں ان کی اپنی شہادات و تصدیقات سے، اس مقام پر ششدر و حیران کھڑا کر دینے کے بعد بتایا ہے کہ اس آسمان کے نیچے صرف ایک آسمانی کتاب ایسی ہے جس میں ایک حرف[1] کی بھی بیشی یا تغیر و تبدل نہیں ہوا اور وہ ہے قرآنِ کریم! اس کتاب کا نام ہے "مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں"۔ اس کتاب سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس مفکر کو جہاں ایک طرف دنیائے فکر کے علوم پر اس قدر عبور حاصل ہے، دوسری طرف جہانِ مذاہب میں بھی اس کی تحقیق کس قدر وسیع اور عمیق ہے۔

## من و یزداں

فکر و مذہب، دونوں سے وابستگان کو اس مقام پر لا کر پرویز صاحب سب سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ خدا کا صحیح تصوّر، کیا ہے اور انسان کا اسکے ساتھ تعلق کیا؟ تاریخی شواہد سے وہ اس پر پہنچے ہیں کہ جس قسم کا کسی قوم کا خدا کا تصوّر، اسی قسم کی اس قوم کی ذہنی اور تمدّنی حالت۔ اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انسان کے سامنے خدا کا صحیح تصوّر ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے متعلق صحیح تصوّر خود خدا ہی دے سکتا ہے۔ یہ تصوّر قرآنِ کریم سے ملتا ہے جسے پرویز صاحب نے (سلسلۂ معارف القرآن کی سب سے پہلی کڑی) "من و یزداں" میں پیش کیا ہے۔

## ابلیس و آدم

اس کے بعد وہ دین کے اساسی تصوّرات کو لیتے ہیں۔ انسان، آدم، ابلیس، شیطان، ملائکہ، جنّات اور اس کے بعد، وحی، نبوّت، رسالت، وغیرہ۔ ان سب کو انہوں نے اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں اپنی کتاب (ابلیس و آدم) میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب دین کی اساسات کے لیے نصابِ اوّل کا درجہ رکھتی ہے۔

---

[1] اس ظلمِ عظیم کا سہرا بھی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے سر ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی بھر کی تحقیق و کاوش کے بعد یہ ثابت کرنے کی ناکام سعی کی ہے کہ قرآنِ کریم سات زبانوں میں نازل ہوا تھا۔ چھ زبانوں میں قرآنِ کریم کو حضرت عثمانؓ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم بغیر جلا ڈالا اور اپنی مرضی سے صرف ایک زبان کا قرآن باقی رکھا جو اُمّت میں رائج ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

## تاریخی سلسلہ

اب ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔ قرآن مجید نے قوموں کے عروج زوال کے ابدی قوانین عطا کئے ہیں اور کہا ہے کہ جو قوم ان قوانین کے مطابق اپنا نظامِ حیات متشکل کرے گی اسے زندگی کی سرفرازیاں اور شادابیاں نصیب ہوں گی۔ جو ان کے خلاف جائیں گی ذلیل و خوار اور آخرالامر تباہ و برباد ہو جائیں گی۔ اپنے اس دعوے کی صداقت کے ثبوت میں وہ ان اقوامِ سابقہ کی داستانیں بیان کرتا ہے جن کی طرف حضرات انبیاء کرامؑ ان قوانین کو لے کر آئے تھے۔ پرویز صاحب نے جوئے نور، برقِ طور اور شعلۂ مستور میں ان داستانوں کو ایسے مؤثر اور بصیرت افروز انداز سے مرتب کیا ہے کہ وہ عہدِ کہن کے تاریخی نوشتوں کے بجائے اقوامِ عصرِ حاضر کے احوال و کوائف نظر آتے ہیں، اور یوں ان کا ہر واقعہ آئینۂ عبرت بن کر سامنے آجاتا ہے۔

اس وقت تک ہم اُس پرویز کی باتیں کر رہے تھے جو فکر و تدبر کا پیکر اور دلائل و براہین کا محمل ہے۔ لیکن اب ہم اس پرویز کی طرف آتے ہیں جو اقبالؒ کے الفاظ میں، عقل و عشق کا آمیزہ اور ذکر و فکر کا فشردہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ــــ نفس گم کردہ می آید، جنیدؒ و بایزید ایں جا ــــ یعنی حضورؐ رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرتِ طیبہ۔

## معراجِ انسانیت

معراجِ انسانیت کا نقوش نگار، پرویز اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے علم و بصیرت اور عشق و محبت کا نقطۂ معراج ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ رسول اللہ کی حیاتِ طیبہ تمہارے لیے بہترین ماڈل (اسوۂ حسنہ) ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ پرویز صاحب نے اپنے ایک درس میں کہا تھا کہ آپ سوچئے کہ اگر ڈرائینگ کی کسی کلاس میں طلباء سے کہا جائے کہ تم اس ماڈل کے مطابق تصویر کشی کرو، لیکن اس ماڈل کو اس کے سامنے نہ رکھا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ طلباء دیا تو سادہ ورق چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ایک کی تصویر دوسرے سے نہیں ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی زندگی کو بہترین ماڈل قرار دیا تو اس کے بعد ضروری تھا کہ خدا اس ماڈل کو بھی محفوظ رکھتا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے نمایاں خط و خال قرآن کریم کے حسین اوراق میں محفوظ کر دیئے۔ پرویز صاحب نے ان تابندہ موتیوں میں سے ایک ایک کو زیبِ عنوان بنایا اور ہر عنوان کے تابع ان احادیث کی روشنی میں جو قرآن کے مطابق تھیں اس تذکارِ جلیل کا آویزہ مرتب کر دیا۔ اس طرح یہ کتابِ سیرت، جس کا پہلا ایڈیشن بڑی تقطیع کے قریب نو سو صفحات پر مشتمل تھا۔ وجۂ تابندگیٔ عالم ہوا۔ جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے، اس کا انداز اور اس پایہ کی سیرت کی کتاب شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ جو لوگ پرویز صاحب کو منکرِ حدیث اور منکرِ سنت قرار دیتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے، میں ان سے اتنا کہوں گا کہ وہ ان کی صرف اس ایک کتاب کو دیکھیں اور پھر خدا لگتی کہیں کہ کیا

اس کتاب سیرت کا مصنف، منکرِ حدیث اور منکرِ شانِ رسالت ہو سکتا ہے؟ پرویز صاحب کے عشقِ رسول کا تو یہ عالم ہے کہ کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ حضورؐ کا اسمِ گرامی ان کے لب پر آیا ہو اور ان کی محبت بھری آنکھیں پُرنم نہ ہو گئی ہوں! لیکن کمال یہ ہے کہ اس شدتِ جذبات کے باوجود وہ قرآنی حدود سے کبھی تجاوز نہیں کرتے۔ انہیں فی الواقعہ — جبر ہے دل پہ اختیار کے ساتھ۔

مقامِ رسالت سے اس قدر آگہی کا نتیجہ ہے کہ ختمِ نبوت کو پرویز صاحب جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ آج کی بات نہیں — یہ ان کا عمر بھر کا عقیدہ ہے۔ اس سلسلہ میں اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ غیر مناسب نہیں ہوگا جس کی طرف میں پہلے ضمنی اشارہ کر چکا ہوں۔

## ختمِ نبوت

۱۹۲۶ء کی بات ہے کہ (سابق ریاست) بہاول پور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک مسلمان مرزائیت (احمدیت) کا مسلک اختیار کر لینے سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں۔ نو برس تک یہ مقدمہ زیرِ سماعت رہا۔ اس نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔ اکابر علماء نے اس میں حصہ لیا۔ لیکن سلجھنے کے بجائے مسئلہ الجھتا چلا گیا۔ بالآخر ۱۹۳۵ء میں ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر محمد اکبر (مرحوم) نے فیصلہ لکھا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ اتنے طول طویل عرصہ تک اس مسئلہ پر بحثیں ہوتی رہیں لیکن یہ نقطہ صاف نہ ہوا کہ مقامِ نبوت کیا ہے اور عقیدہ ختمِ نبوت کی اسلام میں اہمیت کیا۔ (انہوں نے کہا کہ) اتفاق سے ایک دن، دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ کے ماہنامہ معارف میں چودھری غلام احمد پرویز کا ایک مضمون میری نظر سے گذرا جس نے اس سارے مسئلہ کو سلجھا کر رکھ دیا۔ چنانچہ اس کی روشنی میں فیصلہ یہ ہے کہ "احمدیت" اختیار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ فیصلہ چھپا ہوا موجود ہے اور ہر جگہ دستیاب ہو سکتا ہے۔ پرویز صاحب نے اپنی کتاب "ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت" میں بھی اس کے اقتباسات دیئے ہیں۔ یہاں (ضمناً) اس امر کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو ملک میں ۱۹۳۵ء کے مقدمہ کا بھی بڑا چرچا ہوا اور یہ معلوم کر کے آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارے بڑے بڑے مولوی صاحبان نے اس کا چرچا تو کیا لیکن انتہائی کوشش کی کہ اس سلسلہ میں کسی نوع سے پرویز صاحب کا نام نہ سامنے آنے پائے۔ اس سے آپ ان حضرات کی تنگ نظری، حسد اور بغض کا اندازہ لگا لیجیے۔

بہرحال بات پرویز صاحب کی تصانیف کی ہو رہی تھی۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ پرویز صاحب کی زندگی کا مشن یہ ہے کہ مسلمان قرآنِ کریم کو براہِ راست سمجھنے لگ جائیں۔ اس دوران میں پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا اور شائع کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ نے قرآنِ کریم کی طرف توجہ دینی شروع کر دی۔ اب ان کی طرف سے تقاضے موصول ہونے لگے کہ ہمیں وہ طریق بتایئے جس سے ہم قرآنِ حکیم کو خود سمجھنے کے قابل

ہو جائیں۔ اس سے جو مرحلہ اس مفکر کے سامنے آیا وہ بڑا ہمت طلب اور صبر آزما تھا۔ پرویز صاحب شروع سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ قرآنِ مجید براہِ راست سمجھنے کا طریق ایک ہی ہے۔ یعنی محاورۂ عرب اور تصریفِ آیات۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بار بار کہا ہے کہ وہ عربی مبین کی کتاب ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے۔ کہ جو الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ عربی مبین کی رو سے ان کا مفہوم کیا ہے۔ یعنی وہ عرب جو اس وحی کے اوّلین مخاطب تھے، وہ اِن الفاظ کا مفہوم کیا سمجھتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم نے ان الفاظ کو کس کس پیرایہ میں استعمال کیا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ قرآن مجید کا کوئی ایسا لُغت ہو جس میں اس کے الفاظ کا مفہوم اس انداز سے متعین کیا گیا ہو اور اس انداز کا لُغت، اُردو زبان میں تو ایک طرف خود عربی زبان میں بھی نہیں[1] تھا۔ اسے پرویز صاحب کو خود ہی مرتب کرنا تھا۔ لُغت مرتب کرنا، اور وہ بھی اس انداز کے لُغت کا۔ کس قدر کوہکنی اور خارہ شگافی کا متقاضی ہے، ارباب علم اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کے لیے تو اربابِ علم و تحقیق کی ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے، جو ہر فکر سے آزاد ہو کر خالصتہً اسی کام پر لگ جائے۔ لیکن پرویز صاحب کو تو ان میں سے کوئی شے بھی میسر نہ تھی۔ انہیں تو اپنی معاش کے لیے بھی ملازمت کرنی پڑ رہی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر مصروفیات۔ نظر بظاہر اس قسم کے لُغت مرتب کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ۔ عشق کی اِک جَست نے کر دیا قصہ تمام۔

**لغات القرآن**

اس دیوانۂ قرآنی نے یہ لغت بھی مرتب کر ڈالا۔ اور وہ چار ضخیم جلدوں میں ہمارے سامنے ہے۔ اِس لغت نے فی الحقیقت قرآن فہمی کی نئی راہیں کھول دیں۔ آپ ہر گرویدۂ قرآن کے میز پر اس لغت کو پائیں گے۔

یہ لغت سامنے آیا تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ، قرآنِ کریم کا ترجمہ کسی بھی زبان میں ممکن نہیں۔ قرآنی الفاظ کے مرادفات، دوسری زبانیں تو ایک طرف، خود عربی زبان بھی پیش نہیں کر سکتی، حالانکہ اس کی وسعت محیر العقول ہے۔ پرویز صاحب نے بتایا کہ قرآنی آیات کا مفہوم تو بیان کیا جا سکتا ہے ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ ہماری قوم سردست اس مقام پر ہے جہاں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو بولے وہی کُنڈی کھولے۔ تو جب پرویز صاحب نے کہا کہ قرآنِ کریم کا مفہوم بیان کیا جا سکتا ہے ترجمہ نہیں تو تقاضا ہوا کہ آپ اس کا مفہوم بھی متعین اور مرتب کیجیے۔ اور یہ مفہوم تیس پاروں میں ہمارے سامنے آگیا۔ عشق ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔

**مفہوم القرآن**

---

[1] عربی زبان میں امام راغب کی کتاب مفردات القرآن۔ قرآن مجید کی لغات ہے۔ لیکن اس میں قرآنی الفاظ کے مختصر معانی دیئے گئے ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث بہت کم کی گئی ہے۔

عزیزانِ من! ابھی ہم اس رہروِ منزلِ فرقانی کی مسافت کے شاید نصف تک بھی نہیں پہنچے۔ لیکن میں اس مقام پر ذرا سستانے کے لیے رُکتا ہوں اور آپ سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ سوچئے کہ مبدأ فیض نے اس مردِ درویش کو کس قدر بے پناہ صلاحیتوں اور انہیں بروئے کار لانے کی بھرپور توانائیوں سے نوازا ہے۔ تیس سال کی، قبل از وقت بوڑھا کر دینے والی ملازمت۔ دنیا کے دھندے، جن کے متعلق غالب نے کہا تھا کہ ــــ میں کہاں اور یہ وبال کہاں ــــ قدیم و جدید علوم و فنون کے مطالعہ کی وسعت طلبی۔ داخلی اور خارجی سیاسیات پر غائر نگاہ۔ ایک ملک گیر فکری تحریک، اس کا مرکزی ادارہ۔ ادارہ کے اس قدر بلند پایہ پاکیزہ اور شائستہ معیار کے ترجمان ماہنامہ طلوعِ اسلام کی نگرانی۔ مسلسل درسِ قرآن کریم۔ مستفسرین کے سوالات کے اطمینان بخش جواب۔ دُور دُور سے آنے والے اربابِ فکر و نظر سے ملاقاتیں ــــ اور اس ہجومِ تلاطم سے گھرے رہنے کے باوجود، اس قدر اہم علمی کارنامے اور وہ بھی اس بے سروسامانی کے عالم میں تنہا ــــ اگر فیضانِ خداوندی نہیں تو اور کیا ہے! ان سے جب بھی پوچھا کہ وہ اتنا کچھ کیسے کر لیتے ہیں، تو ایک تبسمِ زیرلبی کے ساتھ ــــ جو گویا ان کی فطرت بن چکا ہے۔ بس اتنا کہا کہ یہ تو میں بھی نہیں جانتا کہ یہ کچھ کیسے کر لیتا ہوں ــــ کہہ سکتا ہوں تو فقط اس قدر کہ ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روحِ الامیں پیدا

یہ سب عشق کے کرشمے ہیں۔ عشق، قرآن، اور صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) کے ساتھ۔

## جہانِ فردا

اس کے بعد آگے بڑھئے ــــ معراجِ انسانیت کے بعد، اجزائے ایمان کی آخری کڑی، آخرت سامنے آئی اور پرویز صاحب نے "جہانِ فردا" کے نام سے اُخروی زندگی کی ان کیفیات کو قرآنِ کریم کے اوراق میں منقوش ہیں، ایسے حسین و سادہ انداز میں قلم بند کر دیا کہ وہ اَن دیکھے مناظر گویا مشاہدات بن گئے۔ اور اس کے بعد مسئلہ تقدیر، جس نے دُنیائے فکر اور جہانِ مذہب کو شروع سے آج تک وادیٔ تحیّر بنا رکھا ہے، اسے اس انداز سے سلجھایا کہ وہ کوئی مسئلہ ہی نہ رہا۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اچھے اچھے اربابِ فکر نے اعتراف کیا کہ اس مسئلہ کا ایسا حل کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ اس سے، اور تو اور، مارکسزم کے نظریۂ جبر کی بھی دھجیاں بکھر گئیں۔

## شاہکارِ رسالت

پرویز صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے اسلام کا عملی نظام، اس کی جزئیات کے ساتھ، حضرت عمرؓ سے سمجھا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فرصت اور توفیق عطا کی تو میں اس بارِ احسان کا قرض چکانے کی کوشش کروں گا۔ اور انہوں نے ۱۹۷۴ء میں اس قرض کو بایں نمط چکایا کہ حسنِ داد و ستد کے معاملات جگمگا اُٹھے۔ ان کی مایۂ ناز تصنیف شاہکارِ رسالتؐ نے اسلام

کو پہلی بار ایک جیتے جاگتے، درخشندہ و تابندہ نظام کی شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اربابِ بصیرت نے نہایت اطمینانِ قلب سے اعتراف کیا کہ اسلام فی الواقعہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس میں عالمگیر انسانیت کی نجات و سعادت کا راز مضمر ہے۔ اس کے ساتھ ہی پرویز صاحب نے اس کے آخری باب میں یہ بتایا کہ اس کے بعد اسلام پر کیا گزری اور وہ کس طرح دینِ خداوندی، مروجہ مذہب میں تبدیل ہوگیا۔ میرے نزدیک یہ باب پرویز صاحب کے تحقیقی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے وہ تمام غلطیاں ایک ایک کرکے دور ہوجاتی ہیں جو ایک قلبِ حساس کو وقفِ اضطراب رکھتی ہیں۔

پرویز صاحب نے تو اپنا قرض چکا دیا — اور نہایت حسن کارانہ انداز سے چکا دیا۔ لیکن انہوں نے ہمیں جس اپنے قرض کا زیرِ بار کر دیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اُسے کس طرح چکا سکیں گے؟ میں تو یہی آس لگائے بیٹھا ہوں کہ وہ اپنی کشادہ ظرفی سے یہ قرض ہمیں معاف ہی کر دیں گے، کیونکہ قرآنِ کریم کا یہ ارشاد بھی تو ہے کہ جب مقروض معذور ہو تو قرضہ معاف کر دینا چاہیئے!

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرویز صاحب اپنے درسِ قرآن، خطابات، مقالات، تقاریر و تحاریر میں علامہ اقبالؒ کے اشعار اس نزہت اور لطافت کے ساتھ لاتے ہیں جیسے شبنم کے قطرات برگِ گل پر۔ ان اشعار سے ایک طرف قرآنی مفہوم میں چمک پیدا ہوجاتی ہے اور دوسری طرف ایسا نظر آتا ہے گویا اقبالؒ کا یہ شعر آج ہی ہماری سمجھ میں آیا ہے۔ اقبالؒ کے ساتھ پرویز صاحب کو والہانہ وابستگی ہے اور یہ اس لیے کہ

## اقبالؒ اور قرآن

(بقول ان کے) انہوں نے قرآن فہمی کا اصول اقبالؒ سے سیکھا ہے۔ لیکن ان کی یہ والہانہ عقیدت، شخصیت پرستی نہیں۔ وہ کئی مقامات پر حضرت علامہ سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ وہ فکر و پیامِ اقبالؒ پر ایک خود مکتفی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگرچہ اقبالؒ اور قرآن کے نام سے ان کے خطابات و مقالات کا جو مجموعہ شائع ہوچکا ہے، اس میں اس موضوع پر بہت کچھ آگیا ہے۔

مشہور ہے کہ ایک بدو نے دجلہ کے کنارے ایک نانبائی سے سودا کیا کہ وہ اتنے پیسے لے لے، اور اسے پیٹ بھر کر روٹی کھلا دے۔ وہ صرف روٹی لے گا۔ وہ صرف روٹی لے گا، روٹی دجلہ کے پانی کے ساتھ کھائے گا۔ نانبائی روٹی دیتا گیا۔ وہ کھاتا گیا۔ نانبائی نے آخر تنگ آکر پوچھا کہ بابا! کب تک کھائے جاؤ گے۔ اس نے نہایت سادگی سے کہا کہ جب تک دجلہ بہے جائے گا۔

## مطالب الفرقان

اب ہمارے اس حیرت بدوش فرہاد نے اس عمر میں ایک ایسا فریضہ ہاتھ میں لیا ہے جو دجلہ کی طرح بہے جائے گا۔ یعنی قرآنِ پاک کی مسلسل تفسیر، خود قرآن پاک سے اس کی پہلی جلد مطالب الفرقان کے نام سے ۱۹۷۴ء کی کنونشن میں باعثِ فروغِ دیدہ ہوئی تھی۔ اس میں سورۂ فاتحہ

کے بعد سورۂ بقرہ کی صرف ۲۹ آیات آئی ہیں۔ لیکن، دوسروں کی تو میں کہہ نہیں سکتا۔ میری اپنی کیفیت یہ ہے کہ ان ۲۹ آیات کی تفسیر سے دین کے جملہ مبادیات میرے سامنے آگئے ہیں۔ معلوم نہیں اگلی جلدوں میں وہ کیا کیا نوادرات پیش کریں گے۔ اس ایک جلد سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس مفکّر کو قرآن پاک پر کس قدر عبور حاصل ہے اور اس کی علمی اُفق کس قدر وسیع ہے۔ پھر اسے بھی ذہن میں رکھیے کہ ایک سال کی مدت میں اس قدر بلند پایہ ضخیم تفسیر کی تصنیف اور پھر اسے اس قدر حسین انداز سے طبع کرا کر شائع کر دینا محیر العقول ہے۔

اب تک اس تفسیر کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

## تبویبُ القرآن

معاف فرمائیے۔ میں اُس حدود فراموش تالیف کا ذکر کرنا تو بھول ہی گیا جس کی وسعتوں کے تصور سے سر چکرانے لگ جاتا ہے۔ یعنی تبویب القرآن جس میں سارے قرآن مجید کی تعلیم کو مختلف موضوعات کے تحت (CLASSIFY) کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اب تین جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

پرویز صاحب کی تصانیف کے متعلق اتنا کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی، بہت کچھ کہنے کو باقی ہے۔ لیکن وقت کی تنگی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ جی چاہتا تھا کہ میں سلیم کے نام خطوط۔ طاہرہ کے نام خطوط۔ اسلام کیا ہے۔ اسلامی معاشرت۔ ان کے مجموعہائے مقالات فردوس گم گشتہ۔ سلسبیل۔ بہارِ نو۔ اسبابِ زوالِ اُمت۔ قرآنی قوانین۔ اسلامی نظام وغیرہ کا بھی اسی انداز سے تعارف کراتا۔ لیکن اس کے بعد بھی کیا یہ سلسلہ اختتام تک پہنچ جاتا؟ قطعاً نہیں۔ تیس سال تک پھیلے ہوئے ماہنامہ طلوعِ اسلام کے مقالات اور صدہا پمفلٹوں کا تعارف پھر بھی رہ جاتا۔ لہٰذا میں اب ایک حرفِ آخر پیش کرنے کے بعد اس داستانِ شیریں کو باصد دلِ ناخواستہ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ اور وہ حرفِ آخر ہے پرویز صاحب کی انقلاب آفرین انگریزی زبان کی کتاب (ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION)

پرویز صاحب اکثر افسوس کیا کرتے تھے کہ انہیں انگریزی زبان میں لکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ ان کا تاثر یہ ہے کہ اسلام کو اگر اس کی حقیقی شکل میں پیش کیا جائے تو قدامت پرست مشرق کے مقابلہ میں مذہب گزیدہ مغرب کی زمین اس کے لیے زیادہ سازگار ہے۔ ان کا یہ جذبۂ تاسف یہ دیکھ کر اور بھی شدید ہو جاتا ہے کہ ان کی انگریزی زبان کی اس ایک کتاب نے یورپ اور امریکہ کے فکری حلقوں میں ارتعاش پیدا کر دیا ہے اور وہاں فکر و پیام پرویز کے متعلق ریسرچ شروع ہو گئی ہے۔ (اس سلسلہ میں صرف چند ایک چیدہ چیدہ مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک اعتراف اور ایک معذرت ضروری ہے۔ اعتراف اس کا کہ، میری انگریزی زبان کی استعداد یونہی واجبی سی ہے اس لیے پرویز صاحب سے متعلق جو کچھ اس زبان میں لکھا ملتا ہے میں اس سے براہِ راست استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے میں اپنے انگریزی جاننے والے رفقاء کا رہینِ منت ہوتا ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں، جو کچھ عرضِ خدمت کروں گا، وہ میرے انہی رفقاء کا حاصلِ مطالعہ ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔)

# مغربی مفکّرین اور پرویز

غالباً ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے ( PETER SCHMIDT ) نامی ایک جرمن اسکالر ہند و پاک کی سیاحت کے لیے آیا اور پرویز صاحب سے بھی آکر ملا۔ بعد میں اس نے اپنے تاثرات اور افکار کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس کا انگریزی ترجمہ ( INDIA -MIRAGE AND REALITY ) کے نام سے شائع ہوا جس کا اُس زمانے میں بڑا چرچا ہوا۔ اس نے پرویز صاحب سے اپنی ملاقات کا حال بڑے شگفتہ اور ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ احباب کو معلوم ہے پرویز صاحب کے مکان میں ایک الگ کمرہ ہے جس میں وہ کام بھی کرتے ہیں اور وہیں ملنے والے آکر ملتے بھی ہیں۔ اس کمرہ میں ان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جس کے تاثرات انہوں نے اس الفاظ میں بیان کئے:۔

> میں جب پچھلی مرتبہ پاکستان آیا تھا تو ایک مذہبی شخصیت، پیر مانکی شریف (مرحوم) سے ملا تھا۔ اس دفعہ ایک اور مذہبی شخصیت سے ملاقات ہوئی جس کی تعلیم اور وسعتِ ظرف اسے بالکل مختلف زمرہ میں شامل کرتی ہے۔ قرآنک ریسرچ سینٹر، جس کے سربراہ۔ جی۔ اے۔ پرویز ہیں گلبرگ کے ایک مکان کی نچلی منزل میں واقع ہے۔ اُسی گلبرگ میں جو فلم اسٹارز اور دیگر ارضی مخلوق کا مسکن ہے۔ ان کے کمرے میں کھانے پینے کے برتن اور ان کا کتب خانہ اور مسودات۔ اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ وہی کمرہ ان کا دفتر بھی ہے اور خوابگاہ بھی۔ اس مردِ بزرگ کے چہرے کی عمیق لکیریں اور اس کی نیند کی ترسی ہوئی آنکھیں۔ سادہ سی دھات کے فریم کا چشمہ اور سفید بال۔ اس حقیقت کے غماز تھے کہ وہ کس گہری سوچوں میں ڈوبے رہتا ہے۔ ان سوچوں کی پیدا کردہ علمی اور فکری صلابت میں کچھ لوچ پیدا کرتی تھیں تو اس کی خواب آلود آنکھیں۔ اس کے نزدیک تقویٰ، ترکِ دنیا کا نام نہیں بلکہ اس دنیا کو صفاتِ خدا کا آئینہ دار بنا دینے کی بالارادہ کوشش کا نام ہے۔

عزیزانِ من! ذرا غور کیجیے کہ مغربی مفکرین کی نگاہیں کس قدر تیز ہوتی ہیں۔ پرویز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں، کہ مجھے یاد ہی نہیں پڑتا کہ مجھے کسی رات بھی گہری نیند نصیب ہوئی ہو۔ جس شخص کا دماغ دن بھر گہری سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہے، اُسے گہری نیند آکیسے سکتی ہے؟ پرویز صاحب نے اگر ہمیں یہ نہ بتایا ہوتا تو ہمیں شاید ہی اس کا احساس ہوتا کہ ان کی آنکھیں گہری نیند کو ترسی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ مفکر پہلی نظر میں بھانپ لیتا ہے کہ اس شخص کی آنکھیں محرومِ خواب رہتی ہیں اور اس کی پیشانی کی لکیریں اس گراموفون ریکارڈ کی لکیریں ہیں جس میں صدیوں کی یادداشتیں مستور ہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی ملاقات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس میں موضوعِ گفتگو بیشتر قرآن کے معاشی نظام اور کمیونزم کا

تقابلی موازنہ تھا۔

ہالینڈ کے مشہور مستشرق (DR. J.M.S. BALJON) نے ۱۹۶۱ء میں ایک کتاب شائع کی جس کا عنوان ہے (MODERN MUSLIM KORAN INTERPRETATION) یعنی عصرِ جدید کے مسلم مفسرین قرآن۔ اس مقصد کے لیے اس نے برصغیر ہندوپاک سے تین مفسرین کا انتخاب کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) علامہ عنایت اللہ خان المشرقی (مرحوم) اور پرویز صاحب۔ کتاب میں اس نے مختلف موضوعات پر ان ہر سہ مشاہیر کے علمی فکری اور قرآنی افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے جس سے اس کتاب نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے۔

پرویز صاحب کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ :-

> پرویز صاحب کی شخصیت کے حقیقی جوہروں کو ان کی درخشندہ تحقیقات اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیئے۔ مبداءِ فیض نے انہیں ان نوجوانوں کے لیے جن کا موجوں کے طلاطم میں گھرا ہوا سفینۂ حیات، مذہبی لنگر کی تلاش میں ہو، اعلیٰ صلاحیتوں کا استاد اور باپ کی طرح شفیق دوست بنایا ہے۔ ان کی صاف اور شفاف نگاہ پیش آمدہ مسائل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے متعلق ان کی بلا کاوش و تردد۔ صائب رائے اور آزادانہ فیصلے ان کے اطمینانِ قلب و شرحِ صدر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ دن بدن وسیع تر ہوتا جائے گا۔ (صفحہ ۱۵)

کس قدر صحیح ہے رائے اس محقق کی کہ پرویز صاحب کا اصلی مقام ایک شفیق اور غم خوار باپ کا ہے۔ ہم انہیں یونہی "باباجی" نہیں کہتے۔!

۳۔ ڈاکٹر (FREELAND ABBOT) امریکہ کی (TUFTS) یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے "اسلام اینڈ پاکستان" کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی۔ اس میں انہوں نے فکرِ پرویز اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے متعلق بڑی تفصیل سے داد تحسین دینے کے بعد کہا ہے کہ :-

> پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعّال اسلامی ریفارمر ہیں۔ (صفحہ ۱۳۹)

یہ کتاب فکرِ پرویز کو دنیا کے دُور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔

۴۔ مستشرقینِ مغرب میں پروفیسر (E.I.J. ROSENTHAL) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے (ISLAM IN THE MODERN NATIONAL STATE) کے عنوان سے ایک شہرۂ آفاق کتاب لکھی ہے جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس میں انہوں نے پاکستان میں مختلف اسلامی

تحریکوں کا وسیع جائزہ لیا اور پرویز صاحب اور ان کی تحریک کا ذکر خاصی تفصیل سے کیا ہے۔

۵۔ ۱۹۷۰ء میں عزیز احمد اور (G.E. VONGRUNEBAUM) کی مشترک تصنیف (MUSLIM SELF STATEMENT IN INDIA AND PAKISTAN) کے نام سے شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے سرسید (علیہ الرحمۃ) سے لے کر صدر ایوب خان تک کے دور کے مختلف فکری اور سیاسی راہ نمایانِ ملت کی اسلامی کاوشوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس میں ایک پورا باب پرویز صاحب کی فکر و تحریک کے لیے وقف ہے۔

عزیز احمد صاحب نے ایک اور کتاب (ISLAMIC MODERNISM IN INDIA AND PAKISTAN) کے نام سے تصنیف کی جسے ۱۹۶۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا تھا۔ اس میں بھی پرویز صاحب کی فکر و تحریک کا جائزہ کیا گیا ہے۔

۶۔ کچھ عرصہ ہوا (McGILL) یونیورسٹی (کینیڈا) کی طرف سے (MISS SHEILA McDONOUGH) نامی ایک طالبہ ڈاکٹریٹ کے لیے اپنی تھیسس کی غرض سے پاکستان آئی تھی۔ وہ کافی عرصہ یہاں رہی اور اس کے بعد (THE AUTHORITY OF THE PAST.) کے عنوان سے اپنا تحقیقاتی مقالہ لکھا جسے امریکن اکادمی اوف ریلیجن نے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔ اس میں اس نے سرسیدؒ، اقبالؒ اور پرویزؒ کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیا ہے۔ مقالہ اگرچہ ایک طالب العلم کا ہے لیکن اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور کینیڈا وغیرہ کی یونیورسٹیاں فکرِ پرویز کو ڈاکٹریٹ کے لیے تحقیقاتی مقالات کا موضوع منتخب کر رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ (McDONOUGH) نے (SOCIAL IMPORT OF PARVEZ' RELIGIOUS THOUGHTS) کے نام سے ایک اور تحقیقاتی مقالہ بھی شائع کیا ہے۔ وہ ابھی تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا لیکن علمی حلقوں میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔

۷۔ سوئیزرلینڈ کے ڈاکٹر (P. ROBERT A. BUTLER) پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ لاطینی سے وابستہ اور عیسائی مشنری حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ فکرِ پرویز کے ساتھ ان کی وابستگی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ طلوعِ اسلام کا التزاماً مطالعہ کرتے ہیں اور پرویز صاحب کی کوئی کتاب ایسی نہیں جسے وہ، اس کے شائع ہونے کے ساتھ ہی حاصل نہ کر لیتے ہوں۔ سالِ گذشتہ انہوں نے اپنے عرصۂ دراز کے اس مطالعہ کا ماحصل (IDEALOGICAL REVOLUTION THROUGH THE QURAN) کے نام سے ایک تحقیقاتی مقالہ کی شکل میں شائع کیا جس نے مشنری دوائر میں بالخصوص بڑی شہرت حاصل کی۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اب حال ہی میں اس کا فرانسیسی زبان میں ایڈیشن ٹیونس (مراکو) سے شائع ہوا ہے۔

میں نے ان چند ایک کتابوں کا ذکر مثال کے طور پر کیا ہے ورنہ خود ان کتابوں کے اندر متعدد دیگر

کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن میں فکرِ پرویز کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ پرویز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ حق کی آواز میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ فوارہ کی طرح اپنے زوردروں سے اوپر اٹھتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ پرویز صاحب کی تمام کتابیں (بجز ایک) اُردو زبان میں ہیں اور ان کی پبلسٹی کا یہ عالم ہے کہ ماہنامہ طلوعِ اسلام کے سوا ان کا کہیں ذکر تک نہیں آتا۔ انہیں اخبارات اور مجلات میں تبصرہ کے لیے بھیجا جاتا ہے تو وہ کتابیں رکھ لیتے ہیں لیکن ان پر (موافق نہ سہی مخالف ہی سہی) تبصرہ نہیں کرتے۔ اس کے باوجود آپ دیکھئے کہ یورپ اور امریکہ کی فکرگاہوں میں تحریکِ پرویز پر ریسرچ ہوتی ہے۔ اور کتابیں اور مقالے شائع ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارے یہاں کے اربابِ مذہب و دانش کی تنگ نظری، حسد، بغض اور جذبۂ رقابت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ منبروں اور اسٹیجوں پر پرویز صاحب کی کتابوں کے صفحوں پر صفحے دہرائے جاتے ہیں۔ قرآنی آیات کا مفہوم ان ہی کے ہاں سے مستعار لیا جاتا ہے۔ اصطلاحات انہی کی استعمال کی جاتی ہیں۔ لیکن کیا مجال جو کوئی اتنی اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرے کہ پرویز کا حوالہ تک دے (حوالہ تو کوئی نہیں دے گا البتہ گالیاں ضرور دیں گے!) مذہب پرست طبقہ سے الگ ہٹ کر ہمارے اربابِ علم و دانش کی تنگ نظری اور حسد کا ایک تاسف انگیز واقعہ بھی یاد آگیا۔

محترم سید نذیر نیازی صاحب نے اپنی (یا یوں کہیئے کہ علامہ اقبالؒ کے آخری شب و روز کی) ڈائری لکھی ہے جس کا عنوان ہے "اقبالؒ کے حضور۔ نشستیں۔ اور گفتگوئیں"۔ اس میں انہوں نے ۱۰ر جنوری ۱۹۳۸ء کی صبح، حضرت علامہ سے ان احبابِ دہلی کے قافلہ کی ملاقات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ جو مولانا محمد اسلم جیراجپوریؒ، شیخ سراج الحق۔ حضرت اسد ملتانی مرحوم اور پرویز صاحب پر مشتمل تھا۔ یہ تذکرہ قریب تیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں پرویز صاحب کے استفسارات نمایاں حیثیت لیے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مقام پر نیازی صاحب نے لکھا ہے:۔

> جاوید نامہ کا ذکر آگیا۔ پرویز صاحب نے کہا۔ دربارِ فرعون کے ساحرین کیسے پختہ ایمان تھے۔ فرعون کے جبر و استبداد کا جواب ان کی پختہ ایمانی سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ آپ نے انہیں جاوید نامہ میں کوئی جگہ نہیں دی۔
>
> فرمایا۔ جاوید نامہ میں بہت سی باتوں کا ذکر رہ گیا۔ میرا تو جی چاہتا تھا کہ سید احمد بریلوی اور سید احمد دہلوی کی روحوں کو بھی اس میں جمع کر دوں، لیکن خیال نہ رہا۔ علاوہ اس کے اور بھی کئی باتیں میرے ذہن میں ہیں۔ بلکہ میں نے بطورِ یادداشت کہیں لکھ بھی رکھا

ہے موقعہ ملا تو ان کا ذکر بھی کر دیا جائے گا۔ (صفحہ ۶۴)

آپ اسے اچھی طرح نوٹ فرما لیجیے کہ اس ملاقات کی روئداد میں پرویز صاحب کا نام بار بار نمایاں حیثیت سے آیا ہے اور جاوید نامہ سے متعلق سوال میں نیازی صاحب نے بالتصریح لکھا ہے کہ، پرویز صاحب نے کہا.....

ہمارے ہاں ایک "دانشور" ہیں۔ بشیر احمد ڈار۔ بہت بڑے اقبالی ہونے کے مدعی ہیں۔ غالباً اقبال اکاڈمی کے ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں۔ ۲۳ مئی ۱۹۷۶ء کے روزنامہ نوائے وقت (لاہور) کے ادبی ایڈیشن میں ان کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ـــــ اقبال اور سرسید ـــــ اُس میں وہ لکھتے ہیں:۔

پھر سید نذیر نیازی کی کتاب "اقبال کے حضور میں" کا مطالعہ کیجیے۔ جہاں کئی جگہ علامہ نے سرسید کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ کسی شخص نے جاوید نامہ میں چند اشخاص کا تذکرہ نہ ہونے کا تذکرہ کیا تو علامہ فرماتے ہیں ـــ "جاوید نامہ" میں بہت سی باتوں کا ذکر رہ گیا۔ میرا تو جی چاہتا تھا، سید احمد بریلوی اور سید احمد دہلوی (سرسید) کی روحوں کو بھی اس میں جمع کر دوں ـــ لیکن خیال نہ رہا۔ (صفحہ ۶۴)

آپ دیکھئے۔ یہ صاحب نذیر نیازی صاحب کی کتاب کا اقتباس درج کرتے ہیں۔ انہوں نے اس میں بالتصریح لکھا ہے کہ "پرویز صاحب نے کہا" لیکن ڈار صاحب کے بغض اور حسد کا یہ عالم ہے کہ پرویز صاحب کا نام تک لینا نہیں چاہتے اور اپنے اقتباس میں کہتے ہیں کہ "کسی شخص نے"، ایسا کہا ـــ یہ ہے ہمارے ہاں کی تنگ نظری اور بغض کا عالم۔ یہ تنگ نظری اور تعصب کسی ڈار تک محدود نہیں۔ یہ وبا سارے ملک میں پھیل چکی، یا پھیلائی جا چکی ہے۔ پرویز صاحب کی پیش کردہ قرآنی فکر سے ساری فضا معمور ہے۔ اس کی معقولیت کی یہ کیفیت ہے کہ ملک بھر کے واعظ۔ خطیب یا مقرر اپنے وعظ، خطبات یا تقاریر میں اصطلاحات انہی کی پیش کردہ استعمال کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کا مفہوم وہی بیان کرتے ہیں جو ان کا بیان کردہ ہے۔ اسلام کا سیاسی یا معاشی نظام وہی پیش کرتے ہیں جو انہیں نے عطا کیا ہے۔ میں نے بعض بلند پایہ مقررین کو سُنا ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں پرویز صاحب کی کتابوں کے صفحات کے صفحات رٹے ہوئے دہراتے چلے جاتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ ان میں کہیں پرویز صاحب کا نام یا ذکر تک نہیں کرتے بلکہ اوّل و آخر انہیں ملّا حیاں بھی سُنا دیتے ہیں۔ مجھے اچھے اچھے ذمہ دار اہلِ منصب سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ کمرے کے اندر فکرِ پرویز کی ایک ایک شق سے متفق ہی نہیں بلکہ اس کے پُرجوش حامی ہوں گے لیکن باہر نکل کر ان کی مخالفت شروع کر دیں گے۔ اس کی بنیادی وجوہات ہیں ـــ ایک تو یہ کہ، ایک داعیٔ انقلاب کی مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر مروجہ باطل عقیدہ اور غلط نظریہ کی مخالفت کرتا ہے اور اس باب میں کسی سے کسی قسم

کی مفاہمت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی تائید اور ہم نوائی کے لیے بڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، جو شخص مروجہ عقائد و نظریات کی حمایت کرتا ہے اس کی پہلی آواز پر ہزاروں لاکھوں افراد اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ برف کے گولے کی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص ان غلط عقائد، نظریات و مسالک کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ تنہا ہوتا ہے بلکہ چاروں طرف سے اس پر مخالفت کی سنگ باری ہوتی ہے، اور اس کا ساتھ دینے کی جرأت بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو مخالفتوں کے اس ہجوم کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ پرویز صاحب قرآنی داعیٔ انقلاب ہیں اور ہر اس عقیدہ، نظریہ یا مسلک کی تردید اپنا فریضہ سمجھتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہو۔ لہٰذا ان کی مخالفت ایک فطری امر ہے۔

لیکن یہاں اس مخالفت کی آگ بھڑکانے کے لیے ایک منظم جماعت کی طرف سے، مسلسل اور پیہم پروپیگنڈہ جاری ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس جماعت کے بانی، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، پرویز صاحب سے بڑے خائف ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ پرویز صاحب قریب چالیس سال سے، ان کی نقل و حرکت پر غائر اور کڑی نگاہ رکھتے چلے آرہے ہیں اس لیے انہیں ڈر رہتا ہے کہ وہ جو نقاب بھی اوڑھیں گے وہ اسے نوچ کر رکھ دیں گے اور اس میں حقیقت بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ مودودی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے پرویز صاحب کی کتابیں پڑھ لیں یا وہ ان کی فکر سے متاثر اور متفق ہو گئے تو پھر ان کا چراغ جل نہیں سکے گا۔ پرویز صاحب قرآنی حقائق کو علومِ عصرِ حاضر کی روشنی میں، عقل و بصیرت کی رو سے اُجاگر کرتے ہیں جس سے ذہنوں میں جلا اور نگاہوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے اور پڑھنے والے کا قلب اور دماغ دونوں مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ بطیبِ خاطر ان کا گرویدہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مودودی صاحب کے ہاں اس سے زیادہ کچھ کہ وہی شراب کہن، زبانِ صحافت کی نئی بوتلوں میں بند کر دی جاتی ہے۔ ان کی ساری ٹکنیک، طویل نویسی اور لفظی گورکھ دھندوں میں مضمر ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص بنظرِ غائر ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کی لفاظی، پیاز کے چھلکوں کی طرح اترتی چلی جاتی ہے اور نیچے سے کچھ نہیں نکلتا۔ ان کی مقبولیت کا سبب ان کا بے پناہ پروپیگنڈہ ہے جو سیلابِ زر کے زور پر رواں دواں چلا آرہا ہے۔ یہ سیلاب زر کس طرح دوسروں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے اسے ایک واقعہ سے سمجھئے۔ مودودی صاحب کی تفسیر "تفہیم القرآن" کے تعارف کے لیے میٹروپول اور انٹرکانٹی نینٹل جیسے ہوٹلوں میں تقاریب منعقد ہوئی تھیں جن میں ہزاروں سامعین مدعو کئے گئے تھے اس سے ان تقاریب پر اٹھنے والے اخراجات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان تقاریب میں ملک کے بڑے بڑے (نام نہاد)

دانشورِ تفہیم القرآن کی مدح و ستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ ان میں سے بعض مقررین سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے اس کتاب کو پڑھنا تو ایک طرف دیکھا تک نہیں تھا جس کی شان میں انہوں نے اس قدر بلند آہنگ قصیدہ خوانی کی تھی۔

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ مودودی صاحب، پرویز صاحب سے خائف تھے۔ انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ پرویز صاحب کے خلاف غلط بیانیوں اور الزام تراشیوں سے ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ وہ "گیلا پینٹ" بن کر رہ جائیں جس سے ہر شخص دامن بچا کر چلے۔ چنانچہ وہ روپے کے زور پر اپنی اس مہم میں ایک حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ میں یہ کچھ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا۔ میں نے مودودی صاحب کے لٹریچر کے ایک ایک لفظ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ (ضمناً) میں آج کل ایک مبسوط کتاب مرتب کر رہا ہوں جس میں مودودی صاحب خود اپنے الفاظ کے آئینے میں بے نقاب ہو کر دنیا کے سامنے آجائیں گے۔ باقی رہی پرویز صاحب کی فکر۔ سو اسے اس قسم کی سازشیں کیا گزند پہنچا سکتی ہیں۔ ان سازشوں سے یہ نقصان تو ضرور ہوا کہ یہ صاحب سامنے کھڑے ہو گئے تو ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ بہ ہیئتِ مجموعی شمع قرآنی کی روشنی سے محروم رہ گیا جس کی وجہ سے زندگی کی راہیں اس کے سامنے روشن نہ ہو سکیں۔ لیکن فکرِ پرویز کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ جس فکر میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ کبھی معدوم نہیں ہوتی۔ مودودی صاحب کا، اسلام کے نام سے اسلام کی مخالفت کرنے والا لٹریچر، ان کے پروپیگنڈہ کے سہاروں پر زندہ ہے۔ جب بھی یہ جھکڑ بیٹھ گیا کوئی اسے پوچھے گا بھی نہیں۔ لیکن پرویز صاحب کی قرآنی فکر تو اپنے زورِ دوراں پہ آگے بڑھ رہی ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، غالب کے الفاظ میں، یہ شراب پرانی ہو کر اور تند و تیز ہو جائے گی۔ علامہ اقبال نے اپنے آپ کو "شاعرِ فردا" کہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پرویز صاحب بھی "مفکرِ فردا" ہیں۔ ان کا پیغام ہنوز قبل از وقت ہے۔ زمانہ آئے گا (اور آثار بتاتے ہیں کہ جلد آئے گا۔) جب باطل نظریات کی تاریکیاں، چھٹ جائیں گی اور قرآن کا نیرِ جہانتاب، ان بادلوں کی اوٹ سے نکل کر ساری فضائے کائنات پر چھا جائے گا۔ سیکولرازم، ملوکیت، آمریت، مذہبی پیشوائیت اور نظامِ سرمایہ داری کے تمام بت پاش پاش ہو جائیں گے اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے گی۔ فکرِ پرویز کا وہ دور ہو گا۔

والسلام

محمد اسلام

(نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام۔ کراچی)

نوٹ: یہ مقالہ طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ ۱۹۷۶ء میں پڑھا گیا تھا۔ محترم پرویز صاحب سے متعلق استعمال کئے گئے افعال اس پس منظر میں دیکھیں۔

# حُسنِ تحریر (مسلسل)

مجلہ طلوع اسلام بابت جنوری ۱۹۸۷ء میں قارئین، محترم پرویز صاحب کی وہ خوبصورت تحریر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے اس ذاتِ اقدس و اعظم ؐ کی حیاتِ ارضی کے آخری لمحات کی تصویر کشی کی ہے۔ کہ جو "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" ہیں۔

اس اشاعت میں آپ کے سامنے وہ تحریر لائی جا رہی ہے۔ جس میں سابقہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکارِ جلیلہ کا اختتام ہوتا ہے۔ اور جس کے بعد حضور ختمی مرتبت ؐ کی حیاتِ طیبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے اس سفر کے اختتام اور نئی منزل کی طرف پیش قدمی کے آغاز کا انداز بیان۔

م، ع، دراز

## اقتباس از "شعلۂ مستور"

# تِلْكَ الرُّسُلُ

یہ ہیں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام

طائرانِ حظیرۂ قدس کا وہ کاروانِ شوق جو صبحِ ازل، جھلملاتے تاروں کی سکوت افزا شبنمی چھاؤں میں، جانبِ منزل روانہ ہوا تھا، قندیلِ آسمانی کی بصیرت افروز و جہاں تاب روشنی میں، زمزمہ سنج و نغمہ بار و جذب کیف کی نورانی وادیاں طے کرتا اس مقام تک آپہنچا ہے جہاں سے چراغِ منزل، روشنی کے جگمگاتے مینار کی طرح دُور سے مسکراتا نظر آرہا ہے۔ وہ مقام جہاں اس مقصدِ عظیم کی تکمیل ہوگی۔ جس کیلئے خاک کے ذرّے مختلف ارتقائی ادوار طے کر کے پیکرِ آدم میں متشکل ہوئے اور یہ پیکرِ آب و گل، مقامِ شرف و مجدِ انسانیت کی طرف رواں دواں جادہ پیما ہوا۔ نفوسِ قدسیہ کا یہ قافلۂ رشد و ہدایت ایک جوئے رواں تھی۔ جو دامنِ کہکشاں سے فرازِ کوہ پر جلوہ بار و گہر ریز ہوئی اور سینۂ کوہسار کو چیرتی۔ بڑی بڑی چٹانوں سے ٹکرا کر بجلیاں پیدا کرتی، سرودِ زندگی کو اپنی لہروں کے آغوش میں پرورش دیتی داخلِ دشت و صحرا ہوئی۔

در خوابِ ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
وا کرد چشمِ شوق بآغوشِ کوہسار

سنگ ریزہ نغمہ کشاید خرام او　　سیمائے او چوں آئینہ بے رنگ بے غبار
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود　　در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود[1]

یہ مستِ خرام جوئبار، دشت و صحرا میں زمینِ صالح کو لالہ زاروں میں تبدیل کرتی اور خس و خاشاک اور ہر کشتِ زبوں حاصل کو اپنی موجوں کی لپیٹ میں بہاتی آگے بڑھتی گئی۔ گاہ اپنی سکوت افزا روانیوں سے سبزہ نو دمیدہ کا منہ چومتی اور جھکی ہوئی شاخوں کو آئینہ دکھاتی اور گاہ، کف بر دہاں طغیانیوں سے بڑے بڑے سرکش و تناور درختوں کو جڑ سے اکھیڑتی۔ این و آں سے بے نیاز۔ ماحول سے مستغنی۔ گرد و پیش سے غیر متاثر۔ اپنی خودی میں مست۔ انسانوں کے خود ساختہ قوانین و ضوابط سے بے رخی برتتی اور صرف۔ اس قانونِ سرمدی کا اتباع کرتی جس کے تابع زندگی بسر کرنے کے لئے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ جانبِ منزل بڑھتی چلی گئی۔

دریا بے پر خروش زبند و شکن گذشت　　از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را　　از کاخِ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت
بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بے قرار　　در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

یہ قافلۂ رشد و ہدایت، یہ کاروانِ نور و نکہت، ہر ناقۂ بے زمام کو دعوتِ قطار دیتا۔ اور ہر رہرو سفرِ حیات کی تقدیر کی پردہ کشائی کرتا اس مقام تک آ پہنچا ہے۔ جہاں آثارِ منزل نکھر کر سامنے آ گئے ہیں تکمیلِ سفر کی ہنگامہ خیز مسرت اور حصولِ منزل کی مسرت انگیز کیفیت کا اندازہ ہم پا شکستہ کیا لگا سکتے ہیں۔ نہ جن کے قدم آشنائے جادہ نہ آنکھیں شناسائے منزل! اس والہانہ کیفیت کا پوچھئے کسی ایسے قلبِ زندہ سے جس پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی ہو کہ:

حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

بہرکیف، یہ راحلہ شوق اس وقت میقات میں پہنچ چکا ہے۔ وہ دیکھئے! ہر فردِ کارواں مصروفِ احرام بندی ہے کہ اب اگلا قدم حریمِ کعبہ میں ہوگا۔ جب تک یہ کارواں، ان تیاریوں میں مصروف ہے، آیئے ہم ان کی قطع کردہ راہوں پر ایک طائرانہ نگہِ بازگشت ڈالیں تاکہ گزری ہوئی منازل کی یاد پھر سے تازہ ہو جائے اور ہم ان شگفتہ و شاداب پھولوں کو دامنِ نگاہ میں لئے ان کے ساتھ آگے بڑھیں۔ کیونکہ اس سے آگے فاراں[2] کی مقدس وادی میں پہنچ کر، جہاں کا ہر سنگریزہ جلوہ فروشِ صد طور اور ہر ذرہ آئینہ نمائے ہزار سینا ہے، اس کی فرصت نہ مل سکے گی اس لئے کہ وہاں قلب کی ہر حرکت صرفِ نیاز اور نگاہ کی ہر جنبش وقفِ سجود ہوگی۔

("شعلۂ مستور" ایڈیشن چہارم دسمبر ۸۶ء صفحہ ۱۷۶ تا ۱۷۸)

---

[1] مشہور جرمنی مفکر اور شاعر گوئٹے نے نغمۂ محمدؐ کے نام سے ایک بڑی پیاری نظم لکھی تھی جس کا ترجمہ علامہ اقبال نے پیامِ مشرق میں شائع کیا تھا۔ یہ اُسی نظم کے بند ہیں۔

[2] سیرت نبی اکرمؐ سے مقصود ہے۔ یہ سیرت، معراج انسانیت کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

# قارئین طلوع اسلام کیلئے مژدہ

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مندرجہ ذیل کتابوں کے تازہ ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں!

(۱) اسبابِ زوالِ امت
قیمت: -/۵ روپے

(۲) قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت

یہ کتاب آفسٹ کاغذ پر بڑے سائز ۳۰×۲۰/۸ میں طبع کی گئی ہے

قیمت: -/۱۲ روپے

(۳) مقامِ حدیث

یہ کتاب بڑے سائز ۳۰×۲۰/۸ پر طبع کی گئی ہے۔

قیمت: -/۲۰ روپے

ناظم ادارۂ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ لاہور


# اطلاع

احباب طلوع اسلام ٹرسٹ کا اکاؤنٹ نمبر نوٹ فرمالیں

حبیب بنک لمیٹڈ۔ مین مارکیٹ برانچ۔ گلبرگ، لاہور

اکاؤنٹ نمبر 35-4107

مرزا محمد خلیل
خازن طلوع اسلام ٹرسٹ

# ایک اور دیرینہ رفیقِ تحریک کی مفارقت

نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام فیصل آباد، ڈاکٹر محمد حیات ملک نے ٹیلیفون پر یہ نہایت المناک خبر دی ہے کہ محترم نذیر حسین عارف، جو ان کے دستِ راست تھے۔ اور بزمہائے طلوعِ اسلام کے لئے بڑی تقویت کے مُوجب، وہ ۱۵ جنوری ۸۷ کو دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔

ادارہ ھٰذا کے جملہ احباب، موصوف کے اہل و عیال کے ساتھ اُن کے صدمہ اور غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور بزمِ فیصل آباد کے جملہ ارکان اور پسماندگانِ متعلقہ کو صبرِ جمیل عطا فرماوے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

# رابطۂ باہمی

یارک شائر YORKSHIRE انگلینڈ سے محترم رشید احمد بٹ صاحب نے اطلاع دی ہے کہ یارک شائر میں بزمِ طلوعِ اسلام قائم کر لی گئی ہے۔ اور محترم عبدالرزاق صاحب نمائندہ منتخب ہوئے ہیں۔ ادارہ بمسرت اس نئی بزم اور اس کے نمائندہ کے انتخاب کی توثیق کرتا ہے۔

بزم سے رابطہ کا موجودہ پتہ یہ ہے۔

c/o MR. RASHID AHMAD BUTT,
1137 LEEDS ROAD,
YORKSHIRE BD3 7DD,
ENGLAND.

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

# اغلاط نامہ

طلوعِ اسلام بابت اکتوبر ۱۹۸۶ء میں کتابت کی مندرجہ ذیل اغلاط سامنے آئی ہیں۔ قارئین اس کی تصحیح کر لیں۔

| صفحہ نمبر | سطر نمبر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۹ | ۳ | کِتُبَ | کَتَبَ |
| ۱۹ | ۲۱ | شَرَ | شَرًّا |
| ۲۰ | آخری | وَاتَقُوْ | وَاتَّقُوْا |
| ۲۹ | ۱۵ | وَاتقُوْ | وَاتَّقُوْا |
| ۴۳ | ۳ | وَاتقُوْ | وَاتَّقُوْا |
| ۲۲ | آخری | لِلْانسانِ | لِلْاِنْسَانِ |
| ۲۳ | ۵ | مُحمّدٌ | مُحَمَّدٌ |
| ۳۹ | ۲ | المُهَیمُنُ | الْمُهَيْمِنُ |
| ۴۱ | ۱۱ | اَقَامُوْ۔ واتُوْ | اَقَامُوْا۔ وَاٰتُوا |
| ۴۵ | ۱۵ | هُمْ | هُمْ |
| ۵۷ | پہلی سطر | بِسمِ اللّٰہ | بِسْمِ اللّٰہ |

# حقائق و عِبَر

## ۱۔ اسلامی ارسٹوکریسی

محترم جناب امین احسن اصلاحی صاحب کسی زمانے میں جماعتِ اسلامی کی نمبر ۲ شخصیت تھے اور وہ مودودی صاحب مرحوم کی غیر حاضری میں امیر جماعت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ جماعت اسلامی کی طرح ان کا بھی یہی مطالبہ تھا۔ کہ اقتدار، علمائے دین یعنی جماعت اسلامی کے حوالے کر دیا جائے۔ علامہ پرویز مرحوم نے ان لوگوں کے مطالبے کا تجزیہ کرتے ہوئے، متعدد مرتبہ تحریر کیا تھا۔ کہ اس سے ملک میں بدترین قسم کی تھیا کریسی یعنی "ملاؤں کی حکومت" قائم ہو جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جماعتِ اسلامی سے نکل جانے کے بعد محترم امین احسن اصلاحی صاحب پر اصل حقیقت واضح ہو گئی۔ اب انہوں نے اسلامی حکومت کے بارے میں اپنا پہلا نقطۂ نظر بدل کر اپنا نیا نقطۂ نظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"ارسٹوکریسی سے مراد ایسا سیاسی نظام ہے جس کے تحت معاشرہ کے کسی نہ کسی پہلو سے ممتاز ترین اشخاص ایک سربراہ مملکت کے زیر قیادت کاروبارِ حکومت کے لیے معتمد و مختار بنائے جاتے ہیں ........ ہماری رائے میں عقل یہ تقاضا کرتی ہے کہ ارسٹوکریسی یا اعیانیت کی بنیاد وہ لوگ ہونے چاہئیں جو اہلِ رائے اور اہلِ عقل ہوں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کے لیے اہل استنباط ـــــ یعنی ایسے لوگ جو معاملے کی تہہ کو پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتے ہوں ـــــ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (النساء ـــ ۴:۸۳)

اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے تو جو لوگ ان میں سے بات کی تہہ کو پہنچنے والے ہیں وہ اسکو اچھی طرح سمجھ لیتے۔

گویا اعیانِ حکومت ایسے اہلِ علم اور اہلِ رائے ہوں کہ جب معاملات ان کے سامنے پیش ہوں۔ تو وہ ان کو پوری طرح سے سمجھ سکیں۔ شواہد کی روشنی میں نتائج اخذ کر سکیں، جن معاملات کے لیے ان کے پاس صریح قانون موجود نہ ہو تو ان کو اصل ماخذ کی مدد سے قانون کا استخراج کر کے حل کر سکیں۔ ہمارے نزدیک تاریخ انسانی میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی حکومتیں آئیڈیل ارسٹوکریسی کی بہترین مثال ہیں یہی ارسٹوکریسی بعد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمتہ کے زمانے میں قائم ہوئی۔ ان مبارک ہستیوں کے قائم کردہ سیاسی نظام کو آپ اسلامی ارسٹوکریسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بالکل صحیح اور فطری ارسٹوکریسی ہے۔ اسلامی ارسٹوکریسی کے تحت خلیفہ یا امیر کا انتخاب تو ضروری ہے کہ سب کے ووٹ سے ہو۔ البتہ سربراہِ مملکت اپنی حکومت چلائے گا اعیان کے ذریعے سے اور اس کی حکومت شورائیت پر مبنی ہو گی۔" (ماہنامہ تدبر بابت نومبر ۱۹۸۶ صفحات ۴۶ تا ۴۸)

ہمارے علماء انگریزی اصطلاحات کے سلسلے میں ہمیشہ احساسِ کہتری میں مبتلا رہے ہیں مولانا صاحب اسلامی ارسٹوکریسی کی بجائے اسلامی حکومت کی اصطلاح بھی استعمال کر سکتے تھے خاص طور پر جبکہ ہمارے ہاں ارسٹوکریسی کی اصطلاح اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتی۔

---

## ۲— کعبہ شریف کا استقبال اور عورت کا بغیر محرم سفر

حضرت رابعہ بصریؒ اللہ تعالیٰ کی ایک نیک بندی تھی۔ جن کی زندگی اُمت مسلمہ کی عورتوں کے لیے ایک عمدہ مثال تھی لیکن ان کی جانب ایسی ایسی کرامات منسوب کر دی گئی ہیں کہ وہ مافوق الفطرت عورت معلوم ہونے لگیں۔ ان کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ کعبہ شریف ان کے استقبال کے لیے جنگل میں چلا آیا تھا۔ ان کی اس کرامت کی تفصیلات ماہنامہ آستانہ دہلی کی دسمبر ۱۹۸۶ کی اشاعت میں ان الفاظ میں شائع ہوئی ہیں۔

محبتِ الٰہی میں سرشار رہتی تھیں برسوں اسی عنوان سے عاشقانہ سجدہ ریزیوں میں مصروف رہنے کے بعد زیارتِ بیت اللہ کا جو شوق اٹھا۔ تو ایک لاغر و کمزور گدھا کہیں سے مہیا کر کے اس پر مختصر سامان لادا۔ اور چل کھڑی ہوئیں، راستے میں گدھا مر گیا۔ قافلہ والوں نے کہا کہ ہم آپ کا سامان لیے چلتے ہیں۔ فرمایا تمہارے بھروسہ پر تو میں اس کے گھر نہیں چلی تھی۔ تنہا رہ گئیں۔ تو بولیں۔

ایک غریب و بے کس عورت کو جو سب کچھ چھوڑ کر تیری ہو چکی ہے، پہلے تو بُلایا اور پھر گدھے کو مار کر اس سُنسان جنگل میں تنہا چھوڑ دیا۔ کہا کیا بادشاہ اپنے لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ روا رکھتے ہیں۔

گدھا اسی لمحہ قدرتِ الٰہی سے زندہ ہو گیا۔ سامان لاد کر پھر والہانہ شوق میں چل کھڑی ہوئیں قریب پہنچ کر جنگل ہی میں فروکش ہو گئیں اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر عرض کی۔ کہ

"میں تو تیری آرزو میں چلی ہوں۔ اور تجھے دیکھنا چاہتی ہوں۔ کعبہ جا کر کیا کروں۔ وہ تو صرف پتھر کا ایک گھر ہے۔ سمجھا یہ تھا۔ کہ عُریاں انداز میں وہاں نظر آئے گا۔ ندا آئی رابعہ ضبط و عقل سے کام لو۔ ہمیں ہماری عریانیوں میں دیکھنے کی تاب کون لا سکتا ہے۔ تم بچ بھی گئیں تو دوسری صدہا مخلوق کے خون کا بار کس کی گردن پر ہو گا۔ موسیٰ کہاں اس کی تاب کب لا سکے تھے۔ پھر ایک مدت کے بعد چلیں۔ تو اب پرواز کی بلندیاں غیر محدود ہو چکی تھیں۔ شہر سے کچھ دُور رہ گئیں تھیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ کعبہ خود استقبال کو چلا آ رہا ہے۔ بے نیازی سے فرماتی ہیں کہ میں خانہ کی ضرورت مند نہیں صاحبِ خانہ کے دیدار کی آرزو میں آ رہی ہوں۔ تو واپس چلا جا۔"

اتفاق سے اسی سال حضرت ابراہیم ادھمؒ ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے چودہ سال میں بیت اللہ شریف پہنچتے ہیں دیکھتے ہیں تو میدان خالی ہے۔ کعبہ ہی ندارد ہے وفورِ حسرت میں پکار اٹھے۔ خدایا یہ کیا بدنصیبی کہ میں اتنی کڑیاں جھیل کر پہنچا۔ اور تیرا گھر نظر نہیں آتا۔

غیب سے آواز آئی کہ وہ رابعہؒ کے استقبال کو گیا ہے۔ فرطِ جوش میں آبدیدہ ہو گئے نظر اٹھی تو دیکھا کہ آپ بھی دور سے چلی آ رہی ہیں۔ بڑھ کر بولے آپ نے جہاں میں یہ کیا شور برپا کر رکھا ہے۔ کہ آرزو میدانِ کعبہ کی نظر سے کعبہ کو اوجھل کر دیا۔" فرمایا" شور میں تو کیا ڈالتی آپ ہی کے حج کا عالم میں ایک غلغلہ پڑا ہوا ہے کہ ہر قدم پر نمازیں ہیں، سجدے ہیں۔ فرق البتہ ہے تو صرف اتنا ہے آپ نماز میں آ رہے ہیں اور میں نے یہ راہ نیاز میں طے کی ہے۔

(ماہنامہ آستانہ دہلی دسمبر ۱۹۸۶ء صفحات ۳۶، ۳۷)

حضرت رابعہ بصری کے بارے میں سب کو تسلیم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی تھیں بلکہ ولی اللہ تھیں۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغیر محرم کے حج پر تشریف لے جا رہی تھیں۔ جب اتنی نیک عورت بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے۔ تو واضح ہے کہ شریعت میں عورت کے سفر کے لیے محرم کی کوئی پابندی نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنی نیک عورت اس بارے میں اسلامی حکم کی مخالفت کرتی۔

## ۳- محنت کش ولی اللہ

جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام لاہور کی ۲۶ دسمبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں ایک محنت کش ولی اللہ کے بارے میں ایک مختصر سا نوٹ چھپا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حیدر آباد (سندھ) کی جمعیت اہل حدیث کا ایک رکن نظام الدین اولیاء ہے جو رکشا چلاتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ کتاب وسنّت کی تبلیغ کرتا ہے اس کو اہل حدیث ہونیکی پاداش میں والد صاحب (جو ایک پیر صاحب ہیں) نے گھر سے نکال دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ مسلک حق پر ڈٹا ہوا ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ جو شخص صحیح حدیث سے یہ ثابت کر دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین اس لیے مشروع کروایا۔ کہ نمازی اپنی بغلوں میں بت رکھتے تھے۔ تو میں اپنا رکشا اس کو انعام میں دے دوں گا۔ وہ ایک محنت کش ہونیکے ساتھ ساتھ ایک مبلّغ، ایک مجاہد اور دورِ حاضر کا ولی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عزم استقلال اور جذبۂ ایمان میں برکت فرمائے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۶ دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۴)

اہل حدیث نے تو ولی اللہ بننے کا سستا نسخہ مہیا کر دیا ہے۔ رفع یدین کے بارے میں مناظرے کی دعوت دو اور ولی اللہ بن جاؤ۔

---

## ۴- اہل حدیث کے نزدیک سود حلال !

ہمارے ایک رفیق نے اہل حدیث فرقے کے ایک علاّمے کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ سود کی آمدنی کو اپنے لئے حلال وجائز قرار دیتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اُردو بازار لاہور کی ایک دوکان جدید بک ڈپو اہل حدیث کے مشہور علاّمہ روپڑی کی ملکیت ہے۔ جب وہ دوکان کا کرایہ وصول کرنے تشریف لائے، تو ہمارے رفیق نے ایک مسئلہ کے انداز میں ان سے دریافت کیا کہ اگر کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہو اور وہ بنک میں جمع کرا کے اس کا نفع حاصل کرے، تو اس نفع کی نوعیت کیا ہو گی؟ فرمایا۔ کہ وہ خالص سود اور حرام ہو گا۔

ہمارے رفیق نے دوبارہ عرض کیا کہ اگر وہ صاحب اس رقم کو بینک میں جمع کرانے کی بجائے۔ اس کی ایک دوکان خریدلے اور بینک کے سود سے کئی گنا زیادہ منافع کرایہ کی صورت میں حاصل کرے۔ تو

کیا یہ سود کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ تو اس کی وضاحت کرنے کی بجائے وہ خاموش ہو گئے۔
جب ان کے سامنے وہ حدیث شریف پیش کی گئی کہ رسول اللہ صلعم نے مکہ مکرمہ کے مکانوں کا کرایہ سود قرار دیا تھا (ہدایہ اخرین جلد ۴ ہام مجتبائی صد ۴۵۷) تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں ایسی کسی حدیث کا علم نہیں۔
جس فرقے کے لوگ رفع یدین کے مسئلہ پر مناظرے کی دعوت دینے سے ولی اللہ بن جائیں انہیں حرام و حلال میں تمیز کرنے کی کیا ضرورت ہے!

---

## ۵۔ اہل حدیث علماء کا ایک دوسرے کو خراج تحسین

اس وقت فرقہ اہل حدیث مزید دو تین فرقوں میں بٹ چکا ہے۔ جو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ بعض اوقات گھٹیا حرکات پر بھی اتر آتے ہیں۔ جب کوئی مولوی ان میں سے ایک فرقے کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، تو وہ اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں، لیکن جب وہ اس فرقے کو چھوڑ کر دوسرے فرقے میں شامل ہو جاتا ہے تو پہلا فرقہ اسے بدکردار ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتا۔ اس کی تفصیلات اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ اہل حدیث کی زبانی سنیئے :-

"مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان میں جب سے اختلاف ہوا اس وقت سے آج تک ہفت روزہ "الاسلام" کا طرۂ امتیاز یہ رہا ہے۔ کہ جھوٹ لکھ کر اہل حدیث عوام کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قائدین سے بدظن کر دیا جائے۔ "الاسلام" کی پرانی فائلیں اس کی شاہد ہیں ان کو فی الحال پیش کرنا ضروری نہیں جماعتی رد و بدل خود اس کا عادل گواہ ہے۔ نمونہ از خروارے، ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

ہفت روزہ "الاسلام" لاہور مجریہ ۲۶ فروری ۸۲ء کے صد ۲ پر حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری صاحب کا تعارف یوں کرایا گیا ہے۔

"آج ان کالموں میں کمیرپوری کا نام یونہی زیر بحث آگیا ورنہ ہم نے اس شخص کو آج تک قابلِ التفات نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کو منہ لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ جماعت اس کے کردار و اخلاق سے جتنی واقف ہے۔ اس کا تذکرہ بھی جماعت اور مسلک کے لیے باعثِ

ندامت ہے۔ آج بھی ہم یہ لکھنا نہیں چاہتے کہ اس نے موجودہ جماعتی انحطاط و زوال میں کتنا گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ اور نہ ہی ہم اس بات سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ کہ سرگودھا سے کس جرم کی پاداش میں نکالا گیا اور نہ ہی ہمیں یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ دھرمپورہ لاہور میں اس نے کیا کیا گل کھلائے ہمیں یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس طرح لوگوں کے دسترخوانوں پر ریزہ چینی کرتا رہا۔ اور کس طرح اس نے اپنی اخلاقی پستی کے ثبوت فراہم کیئے ہمیں "الاعتصام" کے حوالوں سے یہ بتانے کی بھی چنداں ضرورت نہیں کہ اس نے مرکزی جمعیت اہل حدیث کا فنڈ کس طرح ہڑپ کیا اور ان کے خلاف کس طرح جماعتی انکوائری عمل میں آئی پھر اس جرم کی پاداش میں اسے جماعت سے کس طرح نکالا گیا۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس شخص کے "سیاہ کارنامے" بیان کر کے صفحات ضائع کریں۔"

مگر آج کل ان کو منہ بھی لگایا جا رہا ہے۔ اور صفحات بھی ضائع کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا جا رہا ہے۔

"ایسے ہی لوگوں میں ایک شخصیت حضرت حافظ کمیر پوری کی ہے جن کے علم و فضل عمل و کمال میں کوئی شک نہیں" (الاسلام ۱۷ اکتوبر ۸۶ء صـ۲)

"الاسلام کے جھوٹا ہونے کے لیے حضرت حافظ ابراہیم کا متضاد تعارف ہی کافی ہے۔"

---

## ۶۔ اہل حدیث اور حنفی

فرقہ اہل حدیث اور حنفیوں کے درمیان اختلافات کس نوعیت کے ہیں، ان کی جھلک دیکھنے کے لئے اس فرقہ کے ایک ترجمان ہفت روزہ الاعتصام کا یہ نوٹ ملاحظہ ہو۔

جیسا کہ آپ کو پہلے سے معلوم ہے۔ کہ قبائلی علاقہ سونیا (مداخیل) کے چند اہل حدیث خاندان احناف کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر ہجرت کر کے پہلے سوات کے موضع نگری اور بعد میں الجامعۃ الاثریہ پشاور آ کر آباد ہوئے تھے۔ اب اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے باعزت اور فاتحانہ طور پر اپنے آبائی گاؤں سونیا جا کر آباد ہو گئے۔

تفصیل، ان واقعات کی کچھ یوں ہے۔ کہ یہ اہل حدیث خاندان کوئی غیر نہیں تھے، بلکہ اسی علاقہ مداخیل کے نہ صرف جدی باشندے تھے۔ بلکہ بعض ان سے ازدواجی رشتوں میں بھی

منسلک تھے۔ لیکن مذہبی تعصب نے انہیں ایسا اندھا کر دیا کہ اپنے جگر گوشوں کی محبت بھی انہیں اس شیطانی حرکات سے روک نہ سکی۔ اور چند لمحوں کے اندر اہل حدیثوں کے گھر جلا کر جلاوطنی پر مجبور کر دیا۔ اور جب یہ لوگ اپنی آتش غضب ٹھنڈی کر چکے تو چند ہی دنوں بعد اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔ اور یہ پریشانی روز بروز اتنی بڑھتی گئی۔ کہ بعد میں خود آکر معافیاں مانگنے لگے یہاں سال بھر کی پوری داستان لکھنا ممکن نہیں تاہم کچھ اختصار کے ساتھ اس فتح کے اسباب بیان کرنا ضروری ہیں۔

جب یہ اہل حدیث ساتھی اپنا گھر و مال دینِ حقہ کی خاطر قربان کر کے اپنے بیوی بچوں سمیت ہجرت کر کے پشاور چلے آئے۔ اور بعض مخالفین کی (اہل حدیث) بیٹیاں بھی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ چلی آئیں اور کچھ دن گذر گئے۔ تب کہیں شفقت پدری نے کروٹ بدلی اور اولاد کی یاد ستانے لگی۔ یعنی "اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" ان ظالموں کا تو یہ خیال تھا کہ ان اہل حدیثوں کے گھر جلا کر در در کی ٹھوکریں اور ٹکڑے ٹکڑے سے روٹی کیلئے محتاج بنا دیں گے اور اس طرح یہ اہل حدیث مجبور ہو کر مسلک اہل حدیث سے تائب ہو جائیں گے۔ لیکن بے چاروں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کن پروانوں سے واسطہ پڑا ہے"۔

(ہفت روزہ الاعتصام بابت ۱۲ دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ 19)

اس کے باوجود یہ لوگ اصرار کرتے ہیں کہ ان کے درمیان اختلافات فروعی نوعیت کے ہیں۔!

---

## ۷۔ ہم قائداعظم کے مجرم ہیں!

بانیِ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بارے میں ہم نے جو منافقانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔ اس نے اب بہت سے مردہ دلوں کو جھنجوڑنا شروع کر دیا ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو قائداعظم کا مجرم سمجھنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں ہفت روزہ چٹان کا ایک مقالہ نگار، اس اخبار کی ۱۳ دسمبر کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

**قائداعظم محمد علی جناحؒ** کی شخصی عظمت اور ان کے کارناموں پر ہزاروں مضامین تحریر کیے جا چکے ہیں۔ ان کی شخصیت پارس کے مانند تھی۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور تحریک تھے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہم قائداعظمؒ کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو عالمی سطح پر متعارف کروانے میں بری

طرح ناکام رہے ہیں دنیا میں جو شہرت گاندی کو حاصل ہے وہ قائداعظم کو حاصل نہیں ہے دور مت جائیے لندن میوزیم تک رسائی کیجئے۔ لندن میوزیم میں گاندی کا بت رکھا گیا ہے۔ اس کی تصاویر نمایاں اور اس کے کارنامے جلی حروف میں تحریر کیے گئے ہیں۔ لیکن قائداعظم کو وہاں کے منتظمین نے کیا حیثیت دے رکھی ہے۔ وہ ہم سب کے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔

بھارت کی تیار کردہ فلم گاندھی میں قائداعظم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کی بجائے ان کی خدمات کی تضحیک کی گئی ہے۔ ان کی شخصیت کو مسخ کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں ہم آج تک قائداعظم کے بارے میں نہ تو کوئی فلم بنا سکے ہیں اور نہ ہی ان کے مخالفین کا منہ بند کر سکے ہیں۔

جو قومیں اپنے محسنوں کو فراموش کریں۔ وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں ہم قائداعظم کو ان کا حق ادا نہیں کر سکے دنیا کی تمام بڑی قومیں اپنے قائدین کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے احترام کرتی ہیں۔ ان کے دل اپنے قائدین کے اقوال کے ساتھ دھڑکتے ہیں وہ اپنے اپنے قائد کو بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم قائداعظمؒ کو دنیا میں روشناس کروانے میں بری طرح ناکام ہیں۔ تمام بڑے ممالک کے رسائل و جرائد میں ان کے قائدین کے کارناموں پر سیر حاصل مضامین شائع ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے رسائل و اخبارات ان کی پیدائش یا وفات پر ہی ان کے بارے میں کچھ تحریر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ہم قائداعظم سے اس حد تک محبت کرتے ہیں کہ ان کی تصویر کرنسی نوٹ پر چھپی ہوئی ہے۔

ہندو ذہنیت نے ہمیشہ کینہ پروری کا مظاہرہ کیا ہے۔ گاندھی فلم بنا کر انہوں نے گاندھی کو نمایاں اور قائداعظم کے مرتبے کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس وقت کے وائسرائے اور دنیا کے حکمرانوں نے قائداعظم کی فراست و ذہانت کا بھرپور اعتراف کیا تھا۔ وہ گاندھی کے مقابلے میں قائداعظم کو امن و سلامتی کا علمبردار قرار دیتے تھے جس وقت گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی تو قائداعظم نے اسے تخریب کاری قرار دے کر مثبت راہ اختیار کی۔ اس وقت کے عالمی جرائد و اخبارات نے قائداعظم کے اقدامات کو تحسین کی نظر سے دیکھا دنیا کے بڑے بڑے سیاست دان اس بات پر متفق تھے۔ کہ اگر کسی سیاست دان کو پرکھنا یا جانچنا ہو تو قائداعظم کو بطور کسوٹی تصور کیا جائے۔

(ہفت روزہ چٹان صفحہ ۱۵)

## ۸ فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے

ہفت روزہ چٹان کا مقالہ نگار مذہبی فرقہ بندی کو ختم کرنے کیلئے ایک تجویز پیش کرتا ہے، تجویز سے پہلے ان کا تجزیہ ملاحظہ ہو:۔

وطن عزیز میں مذہبی فرقہ وارانہ فضا جسقدر مکدر اور کشیدہ ہوتی جا رہی ہے اس سے ہر حساس اور دردمند مسلمان پریشان ہے فروعی مسائل کے بطن سے جنم لینے والے اختلافات بری طرح سماجی تعلقات پر انداز ہو رہے ہیں۔ ملک میں جب کبھی اسلامی نظام کے نفاذ کی بات شروع ہوتی ہے۔ تو اپنے منطقی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے فرقہ وارانہ تعصب اور گروہی عناد کا شکار ہو جاتی ہے۔ آئے روز مختلف شہروں میں مسجدوں کی تالہ بندی، محلوں میں دھینگا مشتی، منبرِ رسولؐ پر مغلظات، جوابی جلسے بازی بے ہودہ الزام تراشی اور کفر و شرک کے بے محابا فتووں نے ایک عجیب مذہبی انارکی پیدا کر رکھی ہے۔ ایک دوسرے پر اپنی مسجدوں کے دروازے بند کرنا۔ مسجدوں پر بورڈ آویزاں کرنا کہ یہ مسجد فلاں مسلک کی ہے۔ یہ انتباہ مسجد کے صدر دروازے پر درج کرنا کہ فلاں مسلک کا آدمی اس مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مسجدوں کی دیواروں پر لٹکے ہوئے مختلف رنگ کے جہازی سائز کے پوسٹروں پر مناظروں کے چیلنج اور اعلان انعام کا اندراج ہر اس شخص کو متوحش کر دیتے ہیں۔ جو دین کے قریب اور مسجد کا دروازہ عبور کرنا چاہتا۔ اور بندگی رب کی خواہش دل میں رکھتا ہے۔ ہمارے مذہبی فرقوں کے اختلافات نہ تو تاریخی نوعیت کے ہیں۔ اور نہ ہی اُن کی کوئی علمی سطح اور معیار ہے علم غیب، حاضر و ناظر، گیارہویں شریف آمین بالجہر، تعزیہ، ذوالجناح، ختم دسواں پنجہ، دعا بعد نمازِ جنازہ آخر کون سے علمی، معاشی سیاسی معاشرتی اخلاقی اور روحانی مسائل ہیں جن کی بنیاد پر امت مختلف کیمپوں میں تقسیم ہو جائے جب سے یہ اختلاف شروع ہوئے ہیں۔ اس دن سے آج تک حل ہونے میں نہیں آرہے۔

(ہفت روزہ چٹان بابت ۳۱ دسمبر ۱۹۸۶ صـ۱۷)

اور آخر میں اس مسئلہ کا حل یہ پیش کیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے سارے فرقے ایک ہی طریقہ نماز کو اپنا لیں۔ یا سب فرقوں کی نمازوں کو نماز ہی سمجھا جائے۔ جس دردمندی سے مقالہ نگار نے مذہبی فرقہ بندی کا تجزیہ کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ تمام فرقوں کو اساسِ قرآنی پر اکٹھا کر کے فرقہ بندی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس یہ ہی واحد کتاب ہے۔ کہ جس کے بارے میں فرقوں میں کوئی

اختلاف نہیں۔ لیکن انہوں نے ایک ایسی تجویز پیش کی۔ کہ جو ان میں مزید فرقہ بندی کا باعث ہو سکتی ہے۔ جب یہ فرقے چودہ سو سال سے ایک طریقہ نماز پر اکٹھے نہیں ہو سکے تو اب یہ کیسے ممکن ہے۔

---

## ۹۔ خاندانی منصوبہ بندی اور جماعت اسلامی

ملک عزیز میں جب خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم شروع کی گئی تو اس وقت صدر ایوب کی حکومت تھی۔ علماء اور خاص کر جماعتِ اسلامی نے اس اسکیم کو خلافِ اسلام قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ لیکن جب جنرل ضیاء الحق صاحب برسرِ اقتدار آئے۔ تو انہوں نے یہ محکمہ ایک خاتون کے حوالے کر دیا۔ جن کے بارے میں کہا جاتا تھا۔ کہ وہ جماعت اسلامی کے بانی کی رشتہ دار تھیں۔ اور غالباً اس کے نتیجے میں جماعت اسلامی نے اس اسکیم کی مخالفت ترک کر دی تھی۔ اب موصوفہ کو وزارت سے محروم ہونا پڑا۔ تو آٹھ سال بعد پھر جماعتِ اسلامی کو یہ اسکیم خلافِ اسلام نظر آنے لگی ہے چنانچہ جماعتِ اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ ایشیاء کی ۲۸ دسمبر ۸۲ کی اشاعت میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے:۔

عریانی و فحاشی کا سدّباب کیا جائے۔ ان کے تمام مظاہر کا تدارک کیا جائے۔ منشیات کے انسداد کے لیے کڑی سزائیں اور موثر تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور خاندانی منصوبہ بندی جیسے اخلاق کش اور مہلک پروگرام کو فی الفور بند کیا جائے۔ جو ان تمام اخلاقی بیماریوں کی افزائش کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے۔ (ہفت روزہ ایشیاء ۲۸ دسمبر ۸۶ صفحہ ۲۰)

---

## ۱۰ احادیث سمجھنے کیلئے بھی علم کی ضرورت ہے!

فرقہ اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ اہل حدیث نے اپنی ۲ جنوری ۱۹۸۷ کی اشاعت میں یہ فتوٰی شائع کیا ہے کہ اسلام میں صغر سنی کی شادی جائز ہے لیکن اس کی تائید میں جو دلیل دی ہے۔ وہ ان کے فتوٰی کی تردید کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اور اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے۔ کہ چھوٹی بچی کی شادی بڑے مرد سے کرنی جائز ہے۔ اور امام بخاری نے یہی باب باندھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس کے جواز پر

اجماع نقل کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگرچہ گود ہی میں کیوں نہ ہو۔ شادی جائز ہے۔ لیکن شوہر کو اس پر اس وقت تک قادر نہ بنایا جائے گا جب تک وطی کے قابل نہ ہو جائے۔

(ہفت روزہ اہل حدیث ۲ جنوری ۱۹۸۷ صفحہ ۷)

حدیث کی اس تشریح کے مطابق کسی بھی لڑکی کی رخصتی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ جوان نہ ہو جائے جسے رخصتی قرار دیتے ہیں۔ اسے ہم شادی کا نام دیتے ہیں، دوسرے الفاظ میں شادی بلوغت کے بعد ہی جائز ہو گی۔ علامہ پرویز صاحب ان نیم تعلیم یافتہ علماء کو قرآن کے حوالے سے یہ بات سمجھاتے رہے لیکن ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ اور اب ان کے غلط استدلال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں اس حدیث کی بھی سمجھ نہیں آئی۔ جس کے حوالے سے وہ صغر سنی کی شادی کا پرچار کرتے ہیں۔ قرآن ہو یا حدیث اُسے سمجھنے کے لیے علم کی ضرورت ہے!

---

بقیہ صفحہ ۴۱

میں نے دیکھی ہے۔ اس آدمی کو ذاتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے والہانہ محبت ہے۔ یہ بہت بڑا عالم ہے۔ اور اس کا ظرف بہت بلند ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ یہی ہے۔ وہ پرویز۔ میرے منہ سے پرویز کا نام سن کر وہ یہی کہہ سکے، "اللہ اکبر" اور پھر چُپ ہو گئے۔ راستہ طے ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد جناب مولوی قاضی صاحب دو تین سال زندہ رہے ـــــ پرویز صاحب کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیتے رہے ـــــ اپنی کم مائیگی کا احساس تھا جو ـــــ تدبر فی القرآن کے حوالوں سے ـــــ ان کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکتا رہا۔

اور آج جبکہ پرویز صاحب (مرحوم و مغفور) اس دُنیا میں نہیں ہیں ہمیں پرویز صاحب کی اکثر اصطلاحات مولویوں کے درمیانے اور اعلیٰ طبقے سے سنائی دے رہی ہیں۔ جشنِ نزولِ قرآن، مکافاتِ عمل، تصریفِ آیات، مذہب نہیں دین، ارتقائی منازل، حیات ایک جُوئے رواں، صلوٰۃ کا نظام، فکرِ قرآن، وغیرہ جن کو یہ بزرگ زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اب بڑے بڑے علاّموں کے منہ سے بے ساختہ نکل رہے ہیں یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی پہچان اور اتباع میں یہ لوگ فرسودہ اور غلط روایات کو چھوڑ رہے ہیں۔ اور قرآن کی خالص تعلیم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اور نہیں تو ان پر جبر کرنے والا پس نصیحت کر قرآن سے اسے جو ڈرتا ہے میرے وعدہ سے　　(سورۃ الذّٰریٰت۔ آیت ۴۵)

(حافظ) محمد یعقوب خان تاجیک

---

# فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ

مولوی قاضی شیر محمد صاحب ہماری مذہبی دنیا کے عالم تھے۔ ساری عمر درس و تدریس کا کام وہ کرتے رہے۔ اور اوائل عمر سے لے کر تادمِ مرگ نیک لوگوں میں اپنا وقت گذارا کرتے۔ بڑے جرأتی اور عقیدے کے پکے انسان تھے۔ گرو ہی اعتقاد سے وہ سُنی مسلمان کہلواتے۔

ایک دفعہ اس آیت کریمہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا پر جو بحث چل نکلی تو مفسرین کی ترجمانی میں یہ مؤقف دھرانے لگے کہ قرآن کی آیات منسوخ ہوئی ہیں اور تراجیم کا یہ عمل جاری رہا ہے۔ جب ہماری بات ترویح و تراجم کی مختلف تشریحات تک پہنچی۔ تو فرمانے لگے۔ کہ یہ مسئلہ دریافت طلب ہے۔ میں پھر سے اس پر غور کروں گا۔

گفت و شنید کی یہ فضا زیادہ دیر تک قائم رہتی۔ اگر پرویز صاحب کا نام سامنے نہ آجاتا۔

ایک روز کتابوں کے حوالوں سے پرویز صاحب کا ذکر آگیا۔ قاضی صاحب برافروختہ ہو گئے مجھے بُرا بھلا جو کہا وہ تو کہا ہی لیکن پرویز صاحب کا کچھ نہ چھوڑا۔ مراسم ختم کر لیئے۔ مدارات دل و جان کے باوجود دو سال تک مجھ سے بات نہ کی۔

پھر ایک دن ایسا آیا کہ میں صبح سویرے اُن کی رہائش گاہ پر جا حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ آج جمعہ ہے، مجھے ایک تقریب پر ابھی ۹ بجے جانا ہے۔ دانشورانِ حال کی مجلس ہے۔ آپ بھی چلے چلیں۔ مولوی صاحب بخوشی میرے ساتھ ہو لیے۔ اور ٹھیک وقت پر ہم ۲۵ بی گلبرگ لاہور میں آ داخل ہوئے۔ عید میلاد النبی کا خصوصی درس تھا۔ سامنے والی قطار میں ایک کرسی خالی تھی۔ قاضی صاحب وہاں بیٹھ گئے۔ اِدھر وہ بیٹھے اور اُدھر بابا آ گئے۔ درس شروع ہوا۔ بڑے انہماک سے انہوں نے سنا۔ درس ختم ہوا۔ تو ہم باہر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ راستے میں مولوی قاضی صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ واعظ کون تھا؟ پھر خود ہی کہنے لگے۔ کہ عنہائے روزگار میں سارا وقت گذرا ہے۔ قرآن سنتے سنتے بڑے سے بڑے عالم کو سُنا ہے لیکن اتنا خوبصورت اندازِ بیان اور قرآن پر اتنی گہری نظر آج تک کسی اور کی نہیں دیکھی۔ جتنی اس شخص

بقیہ صفحہ ۵۹ پر

محمد ارمغان

# منشیات کی پھیلتی ہوئی وبا اور ہمارے علماء

منشیات کے بارے میں حال ہی میں شائع ہونے والی ایک خبر نے بہت سے گھرانوں کا سکون غارت کر دیا ہے۔ یہ خبر پاکستان منشیات بورڈ کے ایک سروے کی بابت تھی، جس کے مطابق ملک عزیز میں نشہ میں مبتلا افراد کی تعداد پندرہ لاکھ تک پہنچ چکی ہے، شہروں میں ہر آٹھویں گھر کا کوئی نہ کوئی فرد اور دیہات کے ہر پندرھویں گھر کا کوئی نہ کوئی فرد اس برائی کا شکار ہے۔ اس سروے کے مطابق ملکِ عزیز میں منشیات کے استعمال میں اضافے کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں ہیروئن کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

یہ ذخیرہ کیسے جمع ہو گیا۔ اس بارے میں جماعتِ اسلامی کا عجیب و غریب طرزِ عمل ملاحظہ ہو۔ جماعت اسلامی سرحد کے ایک رہنما ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب کا یہ بیان بہت سے اخبارات و رسائل میں چھپ چکا ہے۔

"میں حکومت کے اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔ کہ افیون کی کاشت غیر اسلامی اقدام ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ افیون کی کاشت ایک پیشہ ہے۔ اور شہریوں کو ان کے پیشے سے باز نہیں رکھنا چاہیئے

(طلوع اسلام بابت دسمبر ۸۶ صـ۵۵ بحوالہ ہفت روزہ اسلام بابت ۳۱ اکتوبر ۸۶)

دوسری طرف جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے حکومت سے مطالبہ کر دیا کہ منشیات استعمال کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ یعنی ان کے نزدیک منشیات کی کاشت جائز ہے۔ لیکن انکا استعمال حرام۔ تو اس کے نتیجے میں اس کا ملک میں کافی ذخیرہ کا جمع ہو جانا لازمی امر ہے۔ اور اس ذخیرے کے ملک پر جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان کی جھلک پہلے پیرے میں دکھائی جا چکی ہے۔

جماعت اسلامی کے علاوہ دوسرے علماء کا طرزِ عمل بھی اس بارے میں عجیب ہے۔ اس برائی نے ہمارے معاشرے میں تباہی مچا دی ہے۔ اور اب کراچی میں سہراب گوٹھ کے واقعہ کے بعد، اس نے ملکی سیاست کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن ہمارے علماء حضرات اس بارے میں خاموش ہیں۔ حالانکہ یہ شریعت اسلامی میں ایک حرام فعل ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو خود بھی بچنا چاہیے اور دوسرے

مسلمان بھائیوں کو بھی بچانا چاہیئے۔ اور یہ یقیناً 'حلالہ' وغیرہ کی بحثوں سے زیادہ اہم ہے۔ جس میں ہمارے علماء آجکل الجھے ہوئے ہیں۔

تاہم پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن لاہور نے اس صورتِ حالات کا بڑی سنجیدگی سے نوٹس لیا ہے۔ اور اس نے اس امر پر زور دیا ہے۔ کہ معاشرہ کے تمام افراد اور خاص طور پر پیشہ طب سے منسلک لوگوں کو اس برائی کے خاتمے کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہمارے علماء اس سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ منشیات کے عادی افراد کے حالاتِ زندگی کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے۔ کہ اس عادتِ بد کی سب سے بڑی وجہ سگریٹ نوشی ہے۔ جو لوگ چھوٹی عمر میں سگریٹ نوشی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑی عمر میں منشیات میں پناہ لیتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب اسلامی ملکوں میں تمباکو نوشی کو رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ تو مسلمان علماء نے اسے منشیات پر قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دے دیا تھا (فتاوٰی الکاملۃ فی حوادث الطرابلسیۃ جلد اول صـ۲۸۶)

آج یہی سگریٹ نوشی مختلف قسم کی منشیات کے لیے زینے کا کام دے رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان فقہاء کا تجزیہ درست تھا۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں اس بارے میں جو تحقیقی کام ہوا ہے۔ اس سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان ممالک میں منشیات کے خاتمے کے لیے سخت سے سخت قانون بنائے جا چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس عادت بد کو اختیار کرنے والوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سگریٹ نوشی جو اس عادتِ بد کے لئے زینے کا کام دے رہی ہے۔ اسے یہ ترقی یافتہ ممالک ختم کرنے پر تیار نہیں۔ بلاشبہ ان ممالک میں کچھ لوگوں نے سگریٹ نوشی کے حوالے سے منشیات کو ختم کرنے کی بات کی ہے۔ لیکن وہاں کی سگریٹ بنانے والی کمپنیاں اتنی طاقتور ہیں۔ کہ کوئی حکومت سگریٹ نوشی پر پابندی لگانے کا سوچ ہی نہیں سکتی۔ اگرچہ ڈاکٹروں کے اصرار پر وہ سگریٹ کمپنیوں کو یہ حکم دینے پر مجبور ہو گئیں۔ کہ وہ اس کی ہر ڈبیہ پر یہ عبارت تحریر کریں۔ کہ سگریٹ صحت کے لئے مضر ہے۔ ہمارے ملک میں بھی ان ہدایات پر عمل کیا جا رہا ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق امریکہ کے ایک سابق صدر جناب جمی کارٹر کو اس حقیقت کا احساس ہو چکا تھا۔ کہ اگر سگریٹ نوشی پر پابندی نہ لگائی گئی۔ تو امریکی قوم منشیات کی لپیٹ میں آجائے گی۔ چنانچہ اس نے سگریٹ نوشی پر مکمل پابندی عائد کرنے کے بارے میں اصولی فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن اس فیصلے کی وجہ سے امریکہ کے اگلے صدارتی انتخاب میں ان کی کامیابی مشکوک ہو گئی۔ اور پھر قوم کے حق میں نتیجہ وہی نکلا۔ جس کا انہیں خدشہ تھا۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات اتنی واضح ہیں کہ اس سلسلے میں کسی اجتہاد کی بھی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلعم نے متعدد مرتبہ یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو چیز بھی انسانی جسم میں نشہ کے اثرات پیدا کرے وہ شریعتِ اسلامی میں حرام ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے یمن کے دو مشروبوں کی بابت پوچھا کہ جنہیں عام طور پر شراب تو نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن انکے استعمال سے کبھی کبھی نشہ کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ جو چیز بھی انسانی جسم میں نشہ پیدا کرے وہ سب حرام ہے۔ (نیل الاوطار از علامہ شوکانی جلد ہشتم صفحہ ۱۸۰)

زمانہ نبوی میں عام طور پر شراب نوشی ہی نشہ کا سبب بنتی تھی۔ اس زمانے میں دوسری منشیات کا رواج نہیں تھا۔ اس کا رواج اسلامی معاشرے میں چھ سات سو سال بعد میں ہوا۔ مثلاً جب حشیش کا رواج ہوا تو کچھ علماء نے یہ استدلال کرتے ہوئے کہ حرمت کا شرعی حکم صرف شراب تک محدود رہے، اس کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اس کا علم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کو ہوا، تو انہوں نے ان علماء کے اس استدلال پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور ان پر واضح کیا کہ تمام نشہ آور چیزیں چاہے وہ محلول (شراب) کی شکل میں ہوں۔ یا جامد (افیون وغیرہ) ہوں وہ سب ناپاک اور حرام ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے شراب کو انسانی پیشاب اور جامد منشیات کو انسانی ٹٹی کے مشابہ قرار دیا۔

(الفتاوی الکبریٰ جلد چہارم صفحہ ۳۰۳)

امام ابن تیمیہؒ جامد منشیات کو شراب کی نسبت زیادہ خطرناک قرار دیتے تھے۔ کیوں کہ ان کے استعمال سے انسانی جسم کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچتا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا۔ کہ جو مسلمان ان منشیات کے حرام ہونے سے انکار کرے۔ وہ مرتد ہے اور واجب القتل ہے۔

(ایضاً صفحات ۳۱۰، ۳۱۱)

یہاں اس بات کا ذکر فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ ایک اسلامی ملک ملائشیا نے امام ابن تیمیہؒ کے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے اپنے ملک میں منشیات کا کاروبار کرنے والے افراد کے لئے سزائے موت کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔ وہاں ابھی حال ہی میں ایک آسٹریلوی باشندے کو اس جرم کی پاداش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ وہاں اس سخت سزا کے نفاذ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس ملک سے اس برائی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا ہے۔

ہمارے ملک میں حنفی فقہاء کی پیروی کی جاتی ہے۔ اس بارے میں ان کا مسلک بھی امام ابن تیمیہؒ کے فتوے سے مختلف نہیں۔ وہ بھی منشیات کے استعمال کو شراب نوشی کی نسبت زیادہ سنگین

جرم قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ شرابی کے تصرفات کی قانونی حیثیت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن منشیات کے عادی افراد کے تصرفات کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ (فتاوٰی عالمگیری عربی جلد پنجم صد ۴۱۵)

ان تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ اسلامی معاشرے میں منشیات کی کوئی گنجائش نہیں یہ عادت نہ صرف، یہ کہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ قابلِ سزا جرم بھی۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہ برائی ہمارے معاشرے میں وبا کی طرح پھیل رہی ہے۔ اور ہمارے علماء بعض مصلحتوں کی وجہ سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ بعض اطلاعات کے مطابق جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے لیڈر نے افیون کی کاشت کے اسلامی ہونے کا جو دعوٰے کیا ہے۔ وہ انہوں نے وہاں کے دوسرے علماء کے طرزِ عمل کی روشنی میں کیا ہے۔ وہ سب اسے جائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کے خلاف کوئی تحریک چلانا تو کجا۔ ایک لفظ بھی نہیں کہتے۔ حالانکہ جب منشیات کی پہلی سیڑھی یعنی سگریٹ نوشی کا اسلامی ممالک میں رواج ہوا تھا تو تمامی اسلامی ملکوں کے علماء نے متفقہ طور پر اس کے حرام ہونے کا فتوٰی دے دیا تھا۔ لیکن ہمارے علماء آج اس فتوٰی کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان میں سے خود بہت سے تمباکو نوشی یا پان خوری کے عادی ہو چکے ہیں۔

مختلف فرقوں کے علماء کی جانب سے شائع ہونے والے رسائل ہماری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ لیکن کسی بھی رسالے میں سگریٹ نوشی یا منشیات کی حرمت کے بارے میں کسی بھی عالم دین کا بیان نظر سے نہیں گزرا۔ جماعت اسلامی جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر تحریکیں چلاتی رہتی ہے۔ وہ بھی اس بارے میں خاموش ہے۔ ان لوگوں کو محسوس کرنا چاہیے۔ کہ یہ ایک ایسی سماجی برائی ہے۔ کہ جو صرف قانون سازی سے ختم نہیں ہو گی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہم سب کو مل کر کوشش کرنی ہو گی۔

---

## تصحیح

طلوع اسلام جنوری ۸۷ء کی اشاعت میں صفحہ ۶۲ پر خصوصی اعلان شائع ہوا تھا جس میں سہوِ کتابت سے ہوٹل شیریں محل لکھا گیا تھا۔ صحیح اعلان اس طرح ہے قارئین نوٹ فرمالیں۔

"ادارۂ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی جملہ مطبوعات شیریں محل سویٹ ہاؤس ۳۔ بی، یونیورسٹی ٹاؤن پشاور سے حاصل کی جاسکتی ہیں"

(ناظم)